MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ

لاہور

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

جلد نمبر 24

شمارہ نمبر 02

جون 2023ء، ذوالقعدہ/ذوالحجہ 1444ھ

WWW.MIRRAT.COM

امام اعظم نمبر

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے
اسے دین کی گہری سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔
(صحیح البخاری، کتاب العلم)

علم فقہ کو حاصل کرنا چاہیے، اس لیے کہ علم فقہ نیکی اور تقویٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے
اور ہر دن علم فقہ سے مستفید ہوتے رہنا چاہیے، اس کے سمندر میں غوطہ زنی کرنی چاہیے۔
(رد المحتار علی الدر المختار)

لوگ فقہ میں
امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ)
کے محتاج ہیں
اور جو فقہ میں مہارت کا
ارادہ رکھتا ہے اسے
چاہیے کہ وہ امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ)
کی کتب میں غور و فکر کرے۔
(الأشباہ والنظائر)

بے شک فقہ علم شرعی ہے کیونکہ وہ نبوت
(یعنی قرآن وحدیث) ہی سے لیا گیا ہے۔
(احیاء علوم الدین، ج:1، ص:19)

زاجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

کوتاہ نظر (بے بصیرت) عالموں کے اجتہاد کی بجائے
اسلاف کی پیروی (تقلید) خطرات سے زیادہ محفوظ ہے۔
(رموزِ بیخودی)

A Public Awareness Message

مسلسل اشاعت کا چوبیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

لاہور

جون 2023ء، ذوالقعدہ / ذوالحجہ 1444ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیضانِ نظر

سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ:
- سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ
- مفتی محمد شیر القادری
- افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر:
- محمد احمد رضا
- واصف علی

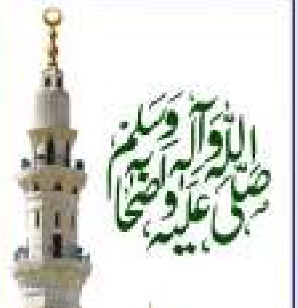

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیامبر، اتحادِ ملتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3

اداریہ

2	دستک		4

امام اعظم نمبر

تعارف و مناقب:

3	تعارف فقہ حنفی	سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ	5
4	تعارف امام ابو حنیفہ: بشارات و اقوال کی روشنی میں	مفتی محمد امجد علی قادری	7
5	شانِ امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) بزبانِ سلطان العارفین (رحمۃ اللہ علیہ)	لئیق احمد	9

تاریخ اور عصرِ حاضر:

6	امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی فکر پر اعتراضات کی حقیقت	صاحبزادہ سلطان احمد علی	12
7	امام ابو حنیفہ اور ان کی فقہ کی وسعت و جامعیت	مفتی محمد اسماعیل خان نیازی	18
8	فقہ حنفی کی تدوین: معاشرتی و سیاسی اثرات کا جائزہ	ڈاکٹر شہلا نور	24
9	پاکستانی قانون، فقہ حنفی اور عدالتی نظام	جسٹس مظہر عالم خان میاں خیل	30
10	مشتعل ہجوم کا انصاف اور فقہائے احناف	مفتی محمد شیر القادری / آصف تنویر اعوان ایڈووکیٹ	32

حدیث اور فقہ حنفی:

11	کتاب "الفقہ الاکبر" کے اعتقادی تناظر میں امام ابو حنیفہ کا سوانحی خاکہ	پروفیسر شفقت حسین خادم	37
12	امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا منہجِ استدلال اور حدیثِ مبارکہ	مفتی محمد صدیق خان قادری	43
13	فقہ حنفی میں اخبارِ آحاد سے استنباط کا اصولی موقف: اعتراضات کا علمی محاکمہ	مترجم: حافظ محمد شہباز عزیز	48

منظوم:

14	"انحطاط کے دور میں اجتہاد سے تقلید بہتر ہے" (فارسی نظم)	علامہ محمد اقبالؒ	61
15	تسنّف (اردو مثنوی)	صاحبزادہ سلطان احمد علی	63

فی شمارہ (عام): 70 روپے — سالانہ (ممبر شپ): 840 روپے

فی شمارہ (خاص): 100 روپے — سالانہ (ممبر شپ): 1200 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی تجارت اور مصنوعات کی بہتر تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے — رابطہ کیلئے: 0300-1275009

برائے خط و کتابت: ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

اللّٰہ

"وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ" (التوبہ:122)

"اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں"۔

"حضرت عبد اللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) روایت بیان فرماتے ہیں کہ سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

فَقِيْهٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ

"ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے"۔

(سنن الترمذی، باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ)

محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدین

سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرمان

"سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "اللہ عزوجل جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور اس کو اپنے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے"۔ دین کی سمجھ نفس کی معرفت کا باعث ہے جس نے ربّ کو پہچان لیا اس نے سب چیزوں کو پہچان لیا۔ اسی (معرفت و پہچان) سے اللہ عزوجل کی بندگی درست ہو جاتی ہے اور غیر اللہ کی بندگی سے آزادی مل جاتی ہے۔ جب تک تو اللہ عزوجل کو غیر اللہ پر، دین کو اپنی خواہشوں پر، آخرت کو اپنی دنیا پر اور خالق کو مخلوق پر ترجیح نہیں دے گا، تجھے فلاح ملے گی نہ نجات"۔

(الفتح الربانی)

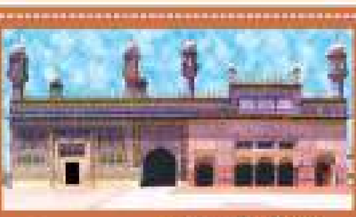

سلطان العارفین

حضرت سلطان باھوؒ فرمان

علموں باجھوں فقر کماوے کافر مرے دیوانہ ھو
سے ورہیاں دی کرے عبادت اللہ کنوں بیگانہ ھو
غفلت کنوں نہ کھلیوس پردے دل جاہل بتخانہ ھو
میں قربان تنہاں توں باھو جنہاں ملیا یار یگانہ ھو

(ابیاتِ باھوؒ)

فرمانِ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ

ایمان، اتحاد، تنظیم

"اب ہمیں اپنے عوام کی تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی ترقی اور اخلاقی فلاح پر اپنی توجہ مرکوز کر دینی چاہیے۔ ہمیں اپنے رہنماؤں سے تعاون کرنا چاہیے اور اجتماعی بہبود کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ہمیں اپنی تنظیم کو مضبوط تر بنانا چاہیے اور اسے حسن کارکردگی کی نہایت عمدہ سطح پر استوار کر دینا چاہیے"۔

(دہلی، 23 مارچ 1940ء)

فرمانِ علامہ محمد اقبالؒ

راہِ آبا رو کہ ایں جمعیت است
معنیٔ تقلید ضبطِ ملّت است
از اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

(رموزِ بے خودی)

فقہ حنفی کی طرق استنباط، انفرادیت وجامعیت اور عصری تقاضے

نورِ مجسم، شفیع معظم سیدنا رسول اللہ (ﷺ) نے جب حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو یمن میں امیر بنا کر بھیجا تو آپ (ﷺ) نے حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) کو ارشاد فرمایا: "جب تم کو کوئی فیصلہ درپیش ہو تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ آپ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی (سب سے پہلے) کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا- آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اگر تم کو کتاب اللہ سے نہ ملے؟ عرض کی، تو سنت رسول اللہ (ﷺ) سے- حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اگر سنتِ رسول (ﷺ) میں نہ ملے اور نہ کتاب اللہ میں (تو کیسے فیصلہ کرو گے)؟ آپ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑوں گا-(یہ سن کر) آپ (ﷺ) نے آپ کے سینہ پہ دستِ اقدس رکھا اور ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کے قاصد کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی جو بات رسول اللہ (ﷺ) کو خوش کرتی ہے"-(سنن ابی داؤد، کتاب الأقضية)

امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کا ملت اسلامیہ پر یہ احسان عظیم ہے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے قرآن وسنت کا بنظر عمیق مطالعہ کیا اور قرآن وسنت میں غوطہ زن ہو کر خطیب خوارزمی کے مطابق "امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے 13 لاکھ مسائل وضع کیے-38 ہزار مسائل عبادات میں اور باقی معاملات میں"- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے سب سے پہلے فقہ کو مرتب کیا آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین میں جو عظیم الشان اور قابلِ فخر خدمات انجام دیں وہ محتاجِ بیان نہیں- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے فقہ کی تدوین کے لیے ایک مجلس علمی یا مجلس شوریٰ ترتیب دی جو 40 نامور علماء پر مشتمل تھی- جس میں آپؒ نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے 40 ماہر فن منتخب فرمائے اور یہ سب وہ تھے جو درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے اور پھر ایک خصوصی مجلس بھی قائم کی جو عمومی مجلس کے کام کو دوبارہ جانچتی- اس خصوصی مجلس کے اراکین میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، داؤد طائیؒ، امام زفرؒ، یحییٰ بن زائدہؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، عبد اللہ بن مبارک (رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ اور خود امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) زیادہ ممتاز ہیں- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگردوں کی کاوش اور صلاحیتوں کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ صرف امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) کی کم وبیش ایک ہزار تصانیف ہیں جن میں مؤطا امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ)، المبسوط، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، السیر الصغیر، السیر الکبیر، الزیادات اور کتاب النوادر وغیرہ قابل ذکر ہیں، اسی طرح آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگردوں میں علامہ سرخسی (رحمۃ اللہ علیہ) کی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "المبسوط" کنویں میں بیٹھ کر تحریر فرمائی (جب آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو خود ساختہ جرم میں قید کر دیا گیا تھا-

امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی پر مغز علمی اور فکری شخصیت نے مستقبل کے مسائل کو بھانپ کر اپنی حیات ہی میں ایک مجموعہ قوانین مرتب کر لیا تھا، جس میں عبادات کے علاوہ دیوانی، فوج داری، تعزیرات، لگان، مال گزاری، شہادت، معاہدات، وراثت ووصیت اور بہت سے دیگر قوانین موجود تھے- اس کے علاوہ آپؒ نے ایسے اصول الفقہ، قواعد فقیہ اور ضوابط ونظریات دیے کہ نئے مسائل کو ان کی روشنی میں مستنبط کیا جائے جیسے سیاست الشرعیہ وغیرہ- عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دور اقتدار میں اسلامی حکومت ایشیائے کوچک سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور اس میں فقہ حنفی اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ نافذ وجاری تھا- اسی طرح خلافتِ عثمانیہ اور ہندوستان کی مغلیہ حکومت میں بھی فقہ حنفی ملکی قانون کے طور پر رائج تھا- اسی طرح عرب، عراق، شام، مصر، لیبیا، ترکستان، ایران، ماوراء النہر، افغانستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں کئی سال تک فقہ حنفی ملکی قانون کے طور جاری پر رہا اور یہ اعزاز فقہ حنفی کو حاصل ہے-

اکثریت کا آپ کی فقہ کی پیروی کرنا اور آپ کے علمی فیضان کا مقبولِ عام ہونا دراصل یہ اُس صحبت کا فیضان ہے جو آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو صحابہ اور تابعین کرام (رضی اللہ عنہم) کی صورت میں میسر رہی- حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے اسی صحبت کے فیضان کو یوں بیان فرمایا ہے کہ:

اگر کوئی شعیب آئے میسر ... شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اولیاء اور صالحین کی صحبت اور سنگت اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ-(التوبہ:119)

کیونکہ صالحین کی صحبت اور سنگت کے فیضان سے ہی آدمی کے وجود میں فراستِ مومنانہ پیدا ہوتی ہے جس سے وہ پیچیدگیوں اور باریکیوں کو احسن انداز میں بیان کرتا ہے- جبکہ صالحین کی دوری باعث غفلت وخطرات ہوتی ہے- اس لئے اللہ تعالیٰ نے غافل کی پیروی کرنے سے یوں منع فرمایا ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا-

"اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا"-(الکہف:28)

اسی تناظر میں علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

از اجتہاد عالمان کم نظر ... اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

"کوتاہ نظر (بے بصیرت) عالموں کے اجتہاد کی بجائے اسلاف کی پیروی (تقلید) خطرات سے زیادہ محفوظ ہے"-

تعارفِ فقہ حنفی

سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (رحمۃ اللہ علیہ)

ولادت (80ھ) کوفہ میں ہوئی اور وہیں پر تعلیم و تربیت حاصل کی اور وصال (150ھ) بغداد میں ہوا۔

مشہور اساتذہ

1- حماد بن ابی سلیمان
2- عطاء بن ابی رباح
3- الشعبی
4- ہشام بن عروۃ

مشہور شاگرد

1- قاضی ابو یوسف
2- محمد بن حسن الشیبانی
3- زفر بن الھذیل
4- حسن بن زیاد اللؤلؤی

مشہور تصنیفات

1- الفقہ الاکبر
2- العالم والمتعلم

اصولِ مذہب

1- کتاب 2- سنت
3- اجماع 4- اقوالِ صحابہ
5- قیاس 6- استحسان
7- عرف

تدوین و تکوین کا دور

(120ھ-204ھ)

- مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔
- امام صاحب کے اصحاب کا آپ کی آراء کو جمع و ترتیب، ان میں مزید غور و فکر اور چھان بین، ان کی نشر و اشاعت اور امام صاحب کی وفات کے بعد انہی کی آراء کی جانب رجوع رکھنا

نشر و اشاعت کا دور

(204ھ-710ھ)

- فقہ حنفی کی توسیع، تشہیر اور وسعت اجتہاد
- مشائخ اور کبار علمائے مذہب کا ظہور
- فقہ حنفی کی چھان بین، اصطلاحات کی حد بندی، ترجیح اور تخریج کے اصول کا وضع ہونا
- تالیف و تدوین کی بنیاد رکھی گئی
- کتبِ فتاوٰی اور نوازل (پیش آمدہ مسائل) کی ترتیب و تشہیر
- فقہ حنفی کے مطابق اصول حدیث کا مرتب ہونا
- مدرسہ مشائخ عراق اور مدرسہ مشائخ سمرقند کا قیام

عروج کا دور

(710ھ---)

- فقہی استحکام
- اسلاف کی فقہی آراء و اقوال پر اعتماد
- فقہ حنفی کے مسائل اور فروعات کی تشہیر اور وضاحت
- مکمل وضاحت کے ساتھ راجح مذہب اور رائے کا ظہور

فقہ حنفی کے مدارس

مدرسہ مشائخ عراق

اس مدرسہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) اور آپ کے ابتدائی اصحاب کے طریقہ کو آگے بڑھایا اور اس کے سرخیل ابو الحسن کرخی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔

مدرسۂ مشائخِ سمرقند

یہ مدرسہ مسائل اصول اور مسائل عقائد کے ساتھ ربط کے باعث ممتاز تھا۔ اس کے سرخیل امام الائمہ ابو منصور ماتریدی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔

فقہ حنفی کی اہم کتب

اہم کتب

1- کتاب ظاہر الروایۃ:
- الاصل
- الزیادات
- الجامع الصغیر
- الجامع الکبیر
- السیر الصغیر

2- الکافی
3- المبسوط
4- بدائع الصنائع
5- رد المحتار
7- عمدۃ الرعایۃ

اہم متون

1- مختصر الطحاوی
2- مختصر الکرخی
3- مختصر القدوری
4- بدایۃ المبتدی
5- وقایۃ الروایۃ
6- المختار الفتوی
7- مجمع البحرین
8- کنز الدقائق
9- النقایۃ مختصر الوقایہ
10- ملتقی الابحر

اہم کتب فتاوی

1- فتاوی ولو الجیۃ
2- فتاوی سراجیۃ
3- فتاوی عالمگیری/الھندیہ
4- فتاوی بزازیہ
5- فتاوی قاضیخان
6- فتاوی تاتار خانیہ
7- فتاوی الخانیۃ
8- فتاوی رضویہ

فقہ حنفی کی اہم اصطلاحات

فقہ حنفی کی کتب کی اہم اصطلاحات

(مسائل الاصول/ظاہر الروایۃ): یہ ان مسائل کو کہتے ہیں جو امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی سے مروی ہیں ان کو امام محمد نے چھ کتب میں جمع کیا: (الاصل، الزیادات، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، السیر الصغیر)

(النوادر): یہ ان مسائل کو کہتے ہیں جو امام اعظم اور آپ کے اصحاب سے مروی ہیں لیکن یہ ظاہر الروایہ کی کتب میں نہیں ہیں۔

(الاصل): اس سے مراد امام محمد کی مبسوط ہے۔

(الکتاب): اس سے مراد مختصر القدوری ہے۔

(المبسوط): اس سے مراد شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط ہے۔

(المتون الثلاثۃ): اس سے مراد مختصر القدوری، الوقایہ لتاج الشریعہ اور کنز الدقائق للنسفی کے متون ہیں۔

(المتون الاربعۃ): اس سے مراد پہلے تین متون اور ابو الفضل عبد اللہ بن محمود الموصلی کی المختار اور مظفر الدین احمد بن علی البغدادی کی مجمع البحرین کے متون ہیں۔

فقہ حنفی کے مشائخ عظام کی اہم اصطلاحات

(امام الاعظم): ابو حنیفہ

(شیخان): ابو حنیفہ اور ابو یوسف

(طرفان): ابو حنیفہ اور محمد بن حسن شیبانی

(صاحبان): ابو یوسف اور امام محمد

(المتنا الثلاثۃ): ابو حنیفہ، ابو یوسف اور امام محمد

(السلف): ابو حنیفہ سے امام محمد تک فقہاء

(الخلف): امام محمد بن حسن شیبانی سے شمس الائمہ حلوانی تک فقہاء

(المتاخرون): شمس الائمہ حلوانی سے حافظ الدین الکبیر البخاری تک فقہاء

(شمس الائمۃ): امام سرخسی

(مفتی الثقلین): عمر بن محمد النسفی

(امام الحرمین): یوسف الجرجانی

(امام الھندی): ابو اللیث نصر بن محمد احمد السمرقندی

(اعلی حضرت): مولانا احمد رضا خان قادری

وہ سلطنتیں جن کا عدالتی نظام فقہ حنفی پہ مبنی تھا

خلافت عباسیہ - خلافت عثمانیہ - زنگی سلطنت - سلطنت سامانیان - غزنوی سلطنت - قرہ خانی سلطنت - مملوک سلطنت - خوارزم - شاہی سلطنت آل سلجوق - سلطنت مغلیہ - وسط ایشیا، برصغیر پاک و ہند، چین، روس، قفقاز اور بلقان کے خطوں کی تقریبا تمام چھوٹی بڑی مسلم سلطنتیں اور ریاستیں۔

وہ ممالک جن کی اکثریت مسلمان آبادی حنفی قانون کی پیروکار ہے

پاکستان - ہندوستان - بنگلہ دیش - مالدیپ - اردن - لبنان - شام - عراق - ترکیہ - سائپرس - افغانستان - تاجکستان - ازبکستان - قازقستان - ترکمانستان - کرغیزستان - چائنا - روس - چیچنیا - بوسنیا - کوسوو -

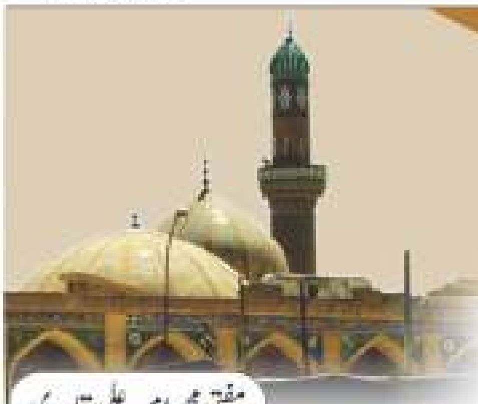

تعارف

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

بشارات و اقوال کی روشنی میں

مفتی محمد امجد علی قادری

بانی فقہ حنفی حضرت نعمان بن ثابت المعروف امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے مقام، شان، فضائل اور مناقب کے بارے میں مختلف احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اقوال ائمہ کرام، مفسرین، محدثین، اہل مذہب اور صوفیاء کرام نے بیان کئے ہیں۔

دعائے مولائے کائنات شیر خدا (رضی اللہ عنہ):

حضرت اسماعیل بن حماد بن النعمان بن ثابت (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت (رحمۃ اللہ علیہ) بچپن میں حضرت علی المرتضی شیر خدا (رضی اللہ عنہ) کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ (رضی اللہ عنہ) نے ان کیلئے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت علی المرتضی شیر خدا (رضی اللہ عنہ) کی دعا کو ہمارے حق میں قبول فرمالیا ہے (اور اس کا نتیجہ حضرت امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں)۔[1]

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے شرف ملاقات و روایت:

علامہ ابن کثیر (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا زمانہ مبارک پایا ہے اور آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے"۔

"ایک قول یہ ہے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کے علاوہ دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی زیارت بھی کی ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ آپ نے سات صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے روایات نقل فرمائیں ہیں۔[2]

فضائل و مناقب:

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے فضائل و مناقب رقم کرتے ہوئے علماء کرام نے کئی ابواب اور کتب رقم فرمائی ہیں، ان میں چند روایات لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

1- حضرت عبد اللہ بن داؤد الخریبی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی نمازوں میں اللہ عزوجل سے امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے لئے دعا کیا کریں کیونکہ امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے لوگوں کیلئے سنن اور فقہ کی حفاظت فرمائی (یعنی لوگوں پہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کیلئے دعا کرنا ایک قرض ہے)"۔[3]

2- امام جلال الدین سیوطی "التبییض الصحیفہ" میں فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمان مبارک امام اعظم امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے متعلق ہے:

"اگر علم ثریا ستارے پر بھی ہوگا تو اہل فارس میں سے ایک شخص اس کو حاصل کر لے گا"۔[4]

3- امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"میں نے امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے بڑھ کر فقیہ شخص نہیں دیکھا"۔[5]

امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے محتاج ہیں اور جو فقہ میں مہارت کا ارادہ رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی کتب میں غور و فکر کرے"۔[6]

---

[1] الخطيب البغدادي، أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد رحمه الله (المتوفى: 463هـ) تاريخ بغداد، ج:15، ص:444

[2] ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير رحمه الله (المتوفى: 774هـ)، البداية والنهاية، ج:10، ص:114

[3] ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير رحمه الله (المتوفى: 774هـ) البداية والنهاية، ج:10، ص:114

[4] (رواه البخاري ومسلم وطبراني)

[5] الخطيب البغدادي، أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد رحمه الله (المتوفى: 463هـ) تاريخ بغداد، باب: مناقب أبي حنيفة، ج:15، ص:473۔

[6] ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد (المتوفى: 970هـ)، الأشباه والنظائر على مذهب أبي حنيفة النعمان، مقدمه، ج:1، ص:13

حضرت امام شافعیؒ مزید فرماتے ہیں کہ مجھے جب کوئی مشکل پیش آتی تو دو رکعت پڑھ کر امام اعظم کی قبر پہ حاضر ہو جاتا ہوں اور اللہ کے حضور دُعا کرتا ہوں تو میری حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے"۔[7]

4-حضرت اسد بن عمرو (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) رات بھر نماز ادا فرماتے اور ہر رات ایک قرآن پاک مکمل فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں آہ و زاری کرتے۔ یہاں تک کہ آپؒ کے پڑوسیوں کو بھی آپؒ پر رحم آنے لگتا۔ آپؒ نے 40 سال عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز ادا فرمائی اور جس جگہ آپؒ کا وصال مبارک ہوا وہاں ستر ہزار مرتبہ قرآن پاک مکمل فرمایا"۔[8]

5-حضرت امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے امام ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ تو امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا: بالکل۔ میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ تجھ سے یہ کہہ دیتے کہ اس ستون کو سونے کا بنایا گیا ہے تو ضرور اس پر اپنی دلیل قائم کرتے (یعنی اس کو دلائل سے ثابت کر دیتے اور تجھے سوائے اقرار کرنے کے کوئی چارہ کار نہ ہوتا)"۔[9]

6-ملا علی قاری (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں کہ:

"جب امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) بغداد شریف میں تشریف لائے تو آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی قبر انور کے پاس دو رکعتیں ادا فرمائیں اور رفع یدین نہیں فرمایا اور لوگوں نے سوال کیا تو آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا کہ اس عظیم امام کے ادب کی وجہ سے کہ ہم ان کی موجودگی میں ان کے مسلک کے خلاف عمل نہ کریں"۔[10]

نوٹ: امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے اس عمل سے ہمارے اکابر کے طریق اختلاف کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ عمل ہمیں اپنے علم و عمل میں وسعت پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

7-حضرت ابو الجویریہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں چھ ماہ رہا پس میں نے آپؒ کو ایک رات بھی سوتے نہیں دیکھا"۔[11]

8-حضرت امام ابو سلیمان داؤد ابن طائی (مرید حبیب عجمی عن خواجہ حسن بصری) نے فرمایا کہ:

"امام ابو حنیفہ کے پاس وہ علم تھا جو اہل ایمان کے دل قبول کرتے تھے"۔

9-حضرت بشر بن حارث (بشر حافی) فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو داؤد (رحمۃ اللہ علیہ) کو فرماتے سنا کہ:

"ابو حنیفہ کے بارے میں کوئی زبان نہیں کھول سکتا سوائے (دو لوگوں کے، ایک وہ) جو ان کے علم سے حاسد ہو (اور دوسرا) وہ جاہل جو ان کے علم کو نہیں پہچانتا"۔[12]

10-امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ امام سفیان ثوری کے پاس ایک شخص امام اعظم سے ملاقات کر کے آیا جس پہ آپؒ نے فرمایا کہ تم روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہ سے مل کر آ رہے ہو"۔[13]

11-حضرت سخی سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ اصحاب کرام (رضی اللہ عنہم) کے بعد فقر کی دولت دو حضرات نے پائی۔ ایک غوثِ صمدانی محی الدین شاہ عبد القادر جیلانی (قدس اللہ سرہ) اور دوسرے حضرت امام ابو حنیفہ کوفی (رحمۃ اللہ علیہ) جو ایک تارک دنیا صوفی تھے۔ آپ نے ستر برس تک کوئی نماز قضا کی نہ روزہ کیونکہ ان اعمال کی قضا بندے کو اہل دنیا کا ہم نشین بناتی ہے"۔[14]

12-آپ (رحمۃ اللہ علیہ) مشکل سے مشکل مسئلے کو اتنی آسانی سے حل فرماتے کہ بڑے بڑے علماء بھی حیران رہ جاتے اور آپ کی ذہانت اور حاضر جوابی کا اعتراف کرتے۔ آپؒ کس قدر عقلمند تھے اس کا اندازہ امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے اسی فرمان سے لگائیے کہ:

"عورتوں نے امام اعظم ابو حنیفہ سے زیادہ عقلمند شخص پیدا نہیں کیا"۔[15]

☆☆☆

[7] (سیر اعلام النبلاء، ج:6، ص:537)
[8] ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير رحمه الله (المتوفى:774ھ) البداية والنهاية۔ ج:10، ص:114
[9] ملا علي القاري، علي بن (سلطان) محمد رحمه الله (المتوفى:1014ھ)۔ مرقاة المفاتيح، مقدمه، ج:1، ص:31
[10] ایضاً، ص:31-32
[11] الذهبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان رحمه الله المتوفى:748ھ، مناقب الإمام أبي حنيفة وصاحبيه، ج:1، ص:22
[12] (التبييض الصحيفه في مناقب الإمام أبي حنيفه، امام جلال الدين سيوطي، ص:56)
[13] (الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، ص:32)
[14] محک الفقر کلاں
[15] (الخيرات الحسان، ص:62)

شانِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بزبانِ سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ

لئیق احمد
ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک لرننگ، کراچی یونیورسٹی

سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ (رحمۃ اللہ علیہ) برِ صغیر پاک و ہند کے معروف صوفی بزرگ ہیں- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس خطہ میں دعوتِ الی اللہ کو عام کیا اور آج بھی مرجعِ خلائق آپؒ کے فیضان سے مستفیض ہو رہے ہیں- زیرِ غور مقالہ کے لئے حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کی 24 تصانیف کا مطالعہ کیا گیا ہے- جن میں سے اِن کتب سے اقتباسات حاصل ہوئے: عین الفقر، محک الفقر کلاں، محبت الاسرار، نور الھدیٰ کلاں، عقل بیدار، کلید التوحید کلاں، نور الھدی خورد، جامع الاسرار- حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) حنفی المذہب تھے- جس کا اظہار آپؒ نے اپنی متعدد تصانیف میں فرمایا ہے- آپؒ ایک مقام پہ ارشاد فرماتے ہیں:

”میں امام اعظم حضرت نعمان کوفی کے مذہب پر قائم ہوں- حضرت امام اعظم مشرک و کفر و بدعت و سرود سے پاک باطن صفا صوفی تھے“-[1]

آپؒ جہاں اپنی تصانیف میں امام ابو حنیفہؒ کی عظمت کا ذکر فرماتے ہیں، وہیں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کا ذکر بھی محبت سے فرماتے ہیں- جیسا کہ ”کلید التوحید کلاں“ میں ذکر ہے کہ:

”روایت کے علم میں چار اجتہادی مذاہب کے مجتہد اماموں کے مرتبہ اجتہاد پر سوائے ان چار اماموں کے اور کوئی نہیں پہنچ سکتا اور یہ کہ وہ چاروں اجتہادی مذاہب برحق ہیں“-[2]

امام اعظم: صاحبِ فقر ہستی:

حضرت سلطان باھوؒ اپنی تصنیف لطیف ”محک الفقر“ میں امام ابو حنیفہ سے متعلق فرماتے ہیں:

”یاد رہے کہ اصحابِ پاکؓ کے بعد فقر کی دولت دو حضرات نے پائی، ایک غوثِ صمدانی محی الدین شاہ عبد القادر جیلانی قدس سرّہ العزیز اور دوسرے حضرت امام ابو حنیفہ کوفی (رحمۃ اللہ علیہ) جو ایک تارکِ دنیا صوفی تھے- آپ نے ستر سال تک کوئی نماز قضا کی نہ روزہ کیونکہ اِن اعمال کی قضا بندے کو اہلِ دنیا کا ہم نشین بناتی ہے جس سے وجود میں ہوائے نفس پیدا ہوتی ہے“-[3]

امام اعظم امام ابو حنیفہ جہاں فقہ و حدیث و اجتہاد کے میدان میں معروف ہوئے وہیں فقر و محاسبہء نفس میں بھی کمال پایا- امامِ اعظم کے احتسابِ نفس پہ حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی تصنیف لطیف میں حکایت بیان فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ حضرت امام اعظم نے اپنی عمر اور نفس کے ساتھ یوں محاسبہ کیا- اے نفس: تیری عمر ساٹھ سال ہو گئی ہے- اس عرصے میں تیری عمر کے بارہ ہزار چھ سو دن گزرے ہیں- اس مدت میں ہر روز تو نے گناہ تو کیے ہوں گے، کہا: نہیں- فرمایا: دس گناہ ہر روز کہا نہیں فرمایا، پانچ گناہ کہا، نہیں- فرمایا، تین گناہ کہا، نہیں- فرمایا: دو گناہ کہا نہیں- فرمایا: ایک گناہ تو ہر روز ضرور کیا ہو گا- کہا: ہاں- اس کے بعد آپ نے آہ بھر کر فرمایا: اے نفس! اگر ایک ایک گناہ کے بدلے ایک ایک پتھر رکھتا،

[1] (کلید التوحید کلاں، ص:111)
[2] (کلید التوحید کلاں، ص:109)
[3] (محک الفقر کلاں، ص:565)

تو ایک پہاڑ بن جاتا- اور اگر مٹھی مٹھی خاک ڈالتا، تو ایک تودہ بن جاتا‘‘-[4]

راہِ تصوف میں جب طالب اپنی طلب میں پاک و یکتا ہو کر عالَم کے اسرار کو سمجھنے لگتا ہے اور بباطن حضور (ﷺ) کی نگاہِ رحمت سے سرشار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پہ یہ فضل فرما دیتا ہے کہ وہ روحانیوں سے ملاقات کرنے کی تاب لے آتا ہے اور مخصوص طریق و مشق سے پاک ارواح سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکتا ہے جس کے متعلق حضرت سلطان باھوؒ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

’’سن! عامل کامل وہ ہے جو ہر اسم کے حبس دم کی حاضرات سے اہل اسم کو اپنے پاس حاضر کر کے اُس سے ہم کلام ہو جائے تاکہ اُس کے دل میں کسی قسم کا افسوس و غم اور آرزو باقی نہ رہے- جو اسمائے الٰہی کے حبس دم کی حاضرات سے طالب کو استغراق فنافی اللہ نور کی حضوری بخشے، اسم محمد (ﷺ) کے حبس دم کی حاضرات سے اُسے مجلس محمدی (ﷺ) کی حضوری سے مشرف کر دے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ سے اُسے تلقین ہدایت دلوائے- اِسی طرح حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہم)، حضرت شاہ محی الدین، حضرات امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام حنبل (رحمۃ اللہ علیہم) کے اسمائے مبارکہ کی حاضرات کے ذریعے اُن سے ملاقات کی جا سکتی ہے- اِسی طرح تمام ارواحِ انبیاء و اولیاء اللہ کے اسمائے مبارکہ سے حبسِ دم کی حاضرات کے ذریعے اُن سے ملاقات کی جا سکتی ہے‘‘-[5]

امامِ اعظم کا انوارِ الٰہی سے مشرف ہونا:

امامِ اعظم علیہ الرحمہ حضور نبی کریم (ﷺ) کی بشارت ہیں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں- آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی علوم میں عروج بخشا، فقر و معرفت کا منبع بنایا آپؒ نے خواب میں بارہا مشاہدہء انوارِ الٰہی کی نعمت حاصل کی ہے اور خواب کی حالت میں مشاہدہء انوار و دیدارِ الٰہی ہونا بلاشبہ روایات سے ثابت ہے- حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) امام صاحبؒ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

’’جو شخص اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا قائل نہیں اور اس میں شک کرتا ہے، وہ گمراہ ہو جاتا ہے- اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے- کیونکہ حضرت امام المسلمین ابو حنیفہؒ نے اللہ تعالیٰ (کے انوار) کو ستر مرتبہ خواب میں دیکھا اور اللہ تعالیٰ (کے انوار) کو خواب میں دیکھنا جائز ہے- خواب یا مراقبہ جو اولیاء اللہ کو ہوتا ہے یا پھر وہ ذکر کے درمیان جو خواب غفلت میں چلے جاتے ہیں، ان کے خواب غفلت نہیں ہوتے، بلکہ اس میں وہ ہر طرح سے باخبر ہوتے ہیں- البتہ عام لوگ غافل ہو کر سوتے ہیں- اُن کے سونے کو خواب غفلت کہہ سکتے ہیں‘‘-[6]

ایک اور مقام پہ ارشاد ہوا:

’’اگر کوئی شخص خواب میں یا مراقبے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھے، جیسا کہ امام المسلمین ابو حنیفہ کوفی (رحمۃ اللہ علیہ) 70 مرتبہ دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوئے اور جواب باصواب سے نوازے گئے- ان کا خواب، خواب غفلت نہ تھا- گو اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت ہم تعین نہیں کر سکتے‘‘-[7]

امام اعظم کے برحق ہونے کی گواہی:

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) ہاں اصلاحی پہلو بدرجہ اتم ملتا ہے- آپؒ نے بسا مقامات پہ سخت انداز میں وعید فرمائیں اور بعض جگہ باطل کا قلع قمع حق کے بارہا پرچار سے کیا- آپؒ نے امام اعظم کے برحق ہونے کے بارے فرمایا:

’’حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے- رافضی خارجی فاسق اہل دنیا کا مذہب سے کیا واسطہ؟ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا مذہب حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا مذہب تھا یعنی تارکِ دنیا طالب ربّ جلیل نہ کہ طالبِ دنیا بخیل اہلِ خلل خطرات- اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے (یعنی کہ تارکِ دنیا طالب ربّ جلیل)‘‘-[8]

[4](جامع الاسرار، ص:114-115)

[5](عقل بیدار، ص:321-323)

[6](جامع الاسرار، ص:105)

[7](نور الھدیٰ خورد، ص:87)

[8](عین الفقر باب نہم، ص:341)

فقہ کی تعریف بزبانِ امام اعظم:

علم فقہ شرح قرآن وحدیث ہی ہے اور علم شرعی کا اہم حصہ ہے- حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) فقہ کی تعریف بزبانِ امام اعظم اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”امام اعظم ابو حنیفہ کوفی (رحمۃ اللہ علیہ) سے پوچھا گیا کہ فقیہ کسے کہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا فقیہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرے اور اللہ کا خوف کھائے اور اللہ کے ہاں مقبول ہو کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے: ”اور جو اللہ سے ڈریں اور پرہیز گاری اختیار کریں تو وہی لوگ کامیاب ہیں“-[9]

علومِ باطنی اور امام ابو حنیفہ کا منہج:

محض ظاہری عبادات پہ اکتفا کرنے والوں اور روحانی پہلوؤں سے روگردانی کرنے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کے تقویٰ کی مثال پیش فرماتے ہیں:

”چنانچہ ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے لباس پر چڑیا کی بیٹ پڑ گئی، آپ اُسے دھونے کے لئے اُٹھے تو ایک آدمی نے کہا: ”حضرت! آپ کا تو فتویٰ ہے کہ چڑیا کی بیٹ سے لباس نجس نہیں ہوتا“- آپ نے جواب دیا: ”وہ میرا فتویٰ ہے اور یہ میرا تقویٰ ہے“-[10]

امام اعظم کی شہادت اور اہمیتِ معرفت و فقر:

اسلامی تاریخ میں علمائے سوء کی بیش مقدار میں مثالیں موجود ہیں جنہوں نے بادشاہِ وقت کی فضیلت کی خاطر دین کو بیچ ڈالا اور حق گوئی و بے باکی سے انحراف کیا- ظاہری علم کی کثرت سے وجود میں منصب و مرتبہ کی طمع پیدا ہو سکتی ہے جبکہ علم فقر و معرفت رضائے الٰہی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے- امام اعظم علیہ الرحمہ جہاں علوم فقہ و اجتہاد کے امام ہیں وہیں فقر و فاقہ کے بھی مستحق ٹھہرے- اسی لئے حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) آپ کی شہادت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

”جو شخص ظاہر میں صاحب علم علوم ہے یعنی صرف ظاہری علوم رکھتا ہے، وہ ذکر و فکر و استغراق، معرفت باطنی سے محروم اور بے خبر ہوتا ہے- فضیلت مع وسیلہ کے مفید ہے اور وسیلہ کے بغیر فضیلت کسی کام کی نہیں- چنانچہ فضیلت منصب قضا تک پہنچا دیتی ہے اور وسیلہ فقر و فاقہ سے رضائے الٰہی تک پہنچا دیتا ہے- اسی لیے امام المسلمین حضرت امام اعظم علیہ الرّحمہ نے منصب قضا کو باوجود تشدّد بادشاہِ وقت کے بھی قبول نہیں کیا- اور رضائے الٰہی پر اپنی جان قربان کر دی“-[11]

حرفِ آخر:

سلطان العارفین برہان الواصلین حضرت سخی سلطان محمد باھو (قدس اللہ سرہ) نے حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا جس طرح مقدمہ اپنی تصانیف میں بیان فرمایا ہے اس سے سالکین راہِ تصوف کے لئے کئی نصیحتیں پنہاں ہیں جن پر عمل پیرا ہونا بلاشک و شبہ ضروری ہے-

- عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ محض علم ظاہر پہ اکتفا نہ کرے بلکہ شہباز کے دونوں پروں کی مانند علومِ ظاہری و باطنی دونوں کا اہل ہو کر اپنی پرواز مکمل کرنے کی جد وجہد کرے-
- نیک طینت صالح لوگوں کو اللہ تعالیٰ حالتِ خواب میں اپنے قرب و وصال سے معمور فرماتا ہے-
- مومن کی نشانی ہے کہ وہ حق گوئی کا وصف اپناتا ہے اور جابر ظالم کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکتا- وہ خوشامدی نہیں ہوتا بلکہ حق کی خاطر دنیا کو ٹھوکر مارتا ہے-

اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء و استغاثہ ہے کہ وہ ہمیں اس نفسا نفسی کے پُر فتن دور میں حق کو پہچاننے کی بصارت بخشے اور ہمیں صالحین کی راہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین!

☆☆☆

[9](محک الفقر کلاں، ص:455)
[10](محک الفقر کلاں، ص:23)
[11](محبت الاسرار، ص:59)

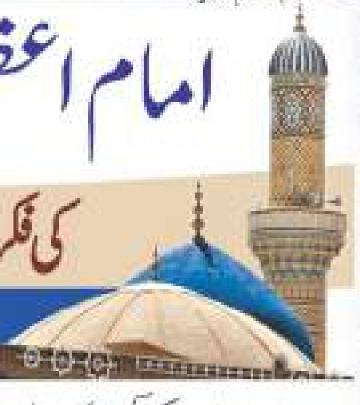

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فکر پر اعتراضات کی حقیقت

صاحبزادہ سلطان احمد علی
خانوادہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ
چیف ایڈیٹر ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

دین اسلام کے کچھ احکام ایسے ہیں جو اس قدر واضح ہیں کہ وہ کسی دوسرے معنی اور مفہوم کا احتمال نہیں رکھتے یعنی وہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہیں، ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا جا سکتا-باقی رہا مقام اختلاف تو وہ ظنی، فروعی اور اجتہادی مسائل ہیں- آئمہ مجتہدین اپنی فراست سے نت نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل قرآن و سنت میں اجتہاد کے راستے سے تلاش کرتے ہیں-اختلاف کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ اختلاف کو امت کیلئے رحمت قرار دیا گیا ہے- آقا کریم (ﷺ) کی موجودگی اور بعد میں بھی جلیل القدر صحابہ کرام نے کئی مسائل میں اختلاف کیا جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں اور مانعین زکوۃ کے متعلق صحابہ کرام کی رائے ایک دوسرے سے مختلف تھی- اسی طرح تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین میں بھی فروعی مسائل میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے-

اکثر اکابرین کے مطابق: اختلافِ رائے ایک ایسا حسن ہے جس کی بنیاد پر مفسرین وشارحین حدیث کی کثرت اور فقہ اسلامی کا عظیم ذخیرہ وجود میں آیا؛ اسی سے تو تعلیم و تعلم میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور افکار کی نئی راہیں نکلتی ہیں-

لیکن عرض یہ ہے کہ اختلافِ رائے کو اختلاف فی الدین سمجھ کر کفر و اسلام کا مسئلہ نہ بنا دیا جائے، اختلاف کی نوعیت خواہ کیسی بھی ہو یہ ہرگز مخالفت کا روپ نہ دھارنے پائے کیونکہ مخالفت سے اسلامی اخوت کا شیرازہ بکھرتا ہے جبکہ اخوت اسلامی معاشرت کی اساس ہے جس کو سلامت رکھنا لازم ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب اختلافِ رائے کا مقصود رضائے الٰہی، للّٰہیت اور حق کی تفہیم ہو، آج بھی سلف صالحین کا طرز اختلاف ہمارے لیے مشعل راہ ہے جو کئی مسائل میں اختلاف رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے مداح اور گرویدہ نظر آتے ہیں، ہاں جب اختلاف مخالفت، حسد اور مالی منفعت کا روپ دھار لے تو یہ صرف نہ اس کے لیے برا ہے بلکہ یہ امت کے لیے بھی نقصان دہ ہے-

اختلاف و احترام سے نکل کر کچھ لوگ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ذات گرامی پہ تنقیص و اعتراض وارد کرتے ہیں بعض اہل نظر کے مطابق اس کی چار وجوہات ہیں-ایک حسد کی وجہ سے معترض وجود میں آئے -حاسدین کے اعتراضات کی حیثیت یوں ہے، جیسا کہ کوئی چاند پر تھوکے-

دوسرے وہ لوگ بھی فی زمانہ پائے جاتے ہیں جو قومی اور بین الاقوامی سطح پہ معاشی منفعت کے پیشِ نظر تعصبات، فرقہ واریت اور شدت کو ہوا دینے کیلئے اسلاف و اکابر پہ طعن کا دروازہ کھولتے ہیں، ایسے لوگ اس قابل ہی نہیں کہ ان پہ کوئی تبصرہ کیا جائے-

تیسرا آپ کے فہم و بصیرت تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے معترض وجود میں آئے جس کی تصریحات محدثین اور فقہاء کرام نے بیان فرمائی ہیں، شیخ الاسلام امام ابن حجر ہیتمی المکی الشافعی لکھتے ہیں:

”قال ابو سلیمان کان ابو حنیفۃ عجبا من العجب و انما یرغب عن کلامہ من لم یقو علیہ“[1]

”ابو سلیمان نے فرمایا: ابو حنیفہ عجب العجاب تھے ان کے کلام سے وہی شخص نفرت کرے گا جو شخص ان کے سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتا“-

[1] (الخیرات الاحسان فی مناقب الامام اعظم ابی حنیفہ: ص:36)

امام اعمش سے یحییٰ بن آدم نے پوچھا کہ جو لوگ امام اعظم پر بولتے ہیں اُن کے حق میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں:

"فرمایا کہ امام صاحب جو مسئلے بیان فرماتے ہیں ان میں سے بعض کو وہ سمجھتے ہیں اور بعض اُن کی عقل سے ماوراء ہوتے ہیں اس لئے ان سے حسد رکھتے ہیں"۔[2]

چوتھی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مستنبط شدہ مسائل کے بنیادی ماخذ کے مقامات اور مواقع کو نہ جانے، آپ کی فکری اور استنباطی قوت تک رسائی نہ ہونے اور اپنی کج فہمی کی بنیاد پر امام صاحب کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا کہ "یہ تو احادیث کے خلاف اپنی رائے قائم کرتے ہیں"۔ اس افواہ کے نتیجے میں آپ کے معاصرین میں سے بڑے بڑے نام ایسے ہیں جو آپ سے خفا تھے، لیکن جب وہ آپ سے ملے تو تمام اشکال بھی رفع ہوگئے اور آپ کی فکر کو تسلیم بھی کیا اور عزت و تکریم سے نوازا بھی سہی - جس کی وضاحت کتبِ محدثین اور فقہاء میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن حجر ہیتمی مکی الشافعی لکھتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ امام اوزاعی نے عبد اللہ بن مبارک سے پوچھا یہ کون ہے بدعتی؟ جو کوفہ میں ظاہر ہوا ہے جس کی کنیت ابو حنیفہ ہے تو آپ نے اس پر جواب نہ دیا بلکہ امام صاحب کے مشکل مسئلوں سے چند مسئلے دکھائے۔ امام اوزاعی نے ان مسئلوں کو نعمان بن ثابت کی طرف منسوب دیکھا۔ بولے یہ کون شخص ہیں؟ کہا ایک شیخ ہیں جن سے میں عراق میں ملا ہوں۔ بولے یہ بہت تیز طبع مشائخ ہیں جاؤ اور ان سے بہت سا علم لو، انہوں نے کہا یہی ابو حنیفہ ہیں جن سے آپ نے منع فرمایا تھا۔ پھر جب امام اوزاعی مکہ معظمہ میں امام صاحب سے ملے تو انہی مسئلوں میں گفتگو کی، تو جس قدر ابن مبارک نے امام صاحب سے سیکھا تھا اس سے بہت زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا، جب دونوں جدا ہوئے، تو امام اوزاعی نے ابن مبارک سے فرمایا کہ:

"غبطت الرجل بكثرة علمه ووفور عقله وأستغفر الله تعالى لقد كنت في غلط ظاهر إلزم الرجل فانه بخلاف ما بلغني عنه"[3]

"میں امام صاحب کے کثرت علم و کمال عقل پر غبطہ کرتا ہوں اور میں استغفار کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے، میں کھلی غلطی پر تھا میں ان کو الزام دیتا تھا حالانکہ وہ اس کے برخلاف ہیں جو ان کے بارے میں مجھ تک پہنچا"۔

چونکہ امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) احادیث مبارکہ سے مسائل کے استنباط کرنے میں وافر ملکہ رکھتے تھے جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے بعض لوگوں نے اپنی کج فہمی اور کج فکری کی بنیاد پر آپ کے خلاف اتنی افواہیں پھیلا دی تھیں جو امام اوزاعی علیہ الرحمہ تک بھی پہنچ گئیں۔ اسی وجہ سے تو امام ابو جعفر محمد الباقر (رضی اللہ عنہ) نے بھی آپ سے حدیث اور قیاس کی بابت پوچھا تھا (تفصیل کیلئے یہ روایت اسی شمارہ کے مضمون "امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا منہجِ استدلال اور حدیث مبارکہ" میں ملاحظہ فرمائیں)۔

امام ابو بکر خطیب بغدادی تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں:

"عن ابي يوسف ما رايت احدا اعلم بتفسير الحديث و مواضع النكت التي فيه من الفقه من ابي حنيفة"[4]

"امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حدیث کی تفسیر اور حدیث میں فقہی نکتوں کے مقامات کا جاننے والا ابو حنیفہ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے"۔

جن لوگوں نے امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ اپنی رائے کو سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ترجیح دیتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ آج کا اصول الشاشی پڑھنے والا طالب علم بھی اتنا شعور رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جائے گا پھر سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف پھر اجماعِ صحابہ اور بعد میں قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا، تو کیا ان لوگوں کے نزدیک امام صاحب کو اس طالب علم جتنا بھی ورک نہ تھا؟ وہ امام ابو حنیفہ جن کا دادا بھی تابعی، باپ بھی تابعی اور آپ خود بھی تابعین میں سے ہیں۔

---

[2] (الخیرات الاحسان: ص:35)

[3] (الخیرات الاحسان: ص:34)

[4] (تاریخ بغداد ج:15، ص:459، ناشر: دار الغرب الاسلامی بیروت)

جس نے پیدا ہوتے ہی آنکھ "خیر القرون قرنی" میں کھولی ہو، جس نے اپنی زندگی کے شب و روز صحابہ اور تابعین کی صحبت میں گزارے ہوں، جس کیلئے آقا کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خوشخبری سنائیں:

"طُوبٰی لِمَنْ رَآنِی وَلِمَنْ رَأَى مَنْ رَآنِی وَلِمَنْ رَأَى مَنْ رَأَى مَنْ رَآنِی"[5]

بشارت ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا (یعنی صحابہ کرام)- اور اس کے لئے بھی جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا (یعنی تابعین، امام اعظم بھی تابعی ہیں) اور اس کیلئے بھی جس نے مجھے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا (یعنی تبع تابعین)-

اس روایت کے مطابق تو امام اعظم کی زیارت کرنے والے بھی اس بشارت کے مصداق ہیں-

جن کے بارے میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری "کشف المحجوب" میں لکھتے ہیں کہ:

"آپ بکثرت مشائخ متقدمین کے استاد ہیں چنانچہ ابراہیم بن ادھم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی اور بشر حافی وغیرھم (رحمہم اللہ) نے آپ سے اکتساب فیض کیا"-[6]

ذرا سوچئے! کہ جو اتنے بڑے مشائخ کا استاد ہو جن کے تقویٰ اور روحانیت کا یہ عالم ہو کہ عالم رویا میں اللہ تعالیٰ انہیں 99 مرتبہ اپنے انوار و تجلیات کی زیارت کا شرف عطا کرے جیسا کہ کتب مناقب میں مرقوم ہے:

"رای اللہ تبارک وتعالٰی تسعا وتسعین مرۃ"

جن کی قرآن و سنت سے وابستگی مسلّم ہو اور جن کی روحانیت اور ولایت پر اُمت کا اجماع ہو، ان کے بارے میں کوئی آدمی یہ کہنے کی کیسے جسارت کر سکتا ہے کہ وہ اپنی رائے کو سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ترجیح دیتے ہیں؟

دراصل مسئلہ یہ تھا کہ جب امام صاحب کے مستنبط شدہ ذخیرہ مسائل کا مطالعہ کرتے اور اپنی کج فہمی کی وجہ سے دلیل تک رسائی نہ ہو سکتی تو سوچ اور فکر میں اشکال پیدا ہو جاتا اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک متکلم خود اس کی وضاحت نہ کرے تو آدمی اسی اشکال میں رہتا ہے- شارح مسلم امام نوویؒ (المتوفی:676ھ) "شرح المہذب" میں کچھ ایسا ہی لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ سے قاتل کی توبہ کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا اس کی توبہ (قبول) نہیں ہے، دوسرے شخص نے یہی سوال کیا آپ (رضی اللہ عنہ) نے اس کو فرمایا کہ قاتل کی توبہ قبول ہے"-

غور فرمائیں سوال ایک ہے کہ قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ ایک سائل کو آپ فرما رہے ہیں کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہے اور اسی سوال کے جواب میں دوسرے کو فرما رہے ہیں کہ قاتل کی توبہ قبول ہے، حالانکہ قاتل کی توبہ قبول ہے-

صرف اتنی بات پر کم ظرف آدمی آپ کے علم پر، آپ کی فقاہت پر، آپ کی فہم و فراست پر، آپ کی دور اندیشی پر طعنہ زنی کر سکتا ہے، اور اس وقت تک اس طعن و تشنیع کے چنگل سے باہر نکل ہی نہیں سکتا، جب تک متکلم خود اس کی وضاحت نہ کرے-

کچھ ایسا ہی حال امام اعظم کے ساتھ ہوا کہ جب کج فہم لوگ آپ کے قواعد اجتہاد، مواقع اجتہاد اور احادیث میں فقہی نکتوں کے مقامات کو نہ سمجھ سکے، تو بدگمانی میں مبتلا ہو گئے جو انہیں طعن و تشنیع کی دہلیز تک لے گئی-

شارح مسلم "امام نووی" آگے لکھتے ہیں کہ:

پھر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے دونوں کو الگ الگ جواب کیوں دیا؟

"پھر فرمایا کہ بہرحال شخص اول کی آنکھوں میں میں نے دیکھ لیا تھا کہ ارادہ قتل ہے پس میں نے اسے باز رکھنے کیلئے (یہ فتویٰ دیا کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہے) اور رہا دوسرا شخص تو وہ قتل (کرنے) کے بعد عاجزی سے

[5](الفوائد لابو القاسم تمام، ج:2، ص:258، الناشر: مکتبۃ الرشد-الریاض)
(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج:9، ص:3880، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)
(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، ج:2، ص:119، الناشر: مکتبۃ الإمام الشافعي-الریاض)
(کنز العمال، ج:11، ص:530، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ)
[6](کشف المحجوب، ص:146، ناشر: کتب خانہ حاجی نیاز احمد اندرون بوہڑ گیٹ ملتان)

آیا تو میں نے اُسے (رحمت الٰہی سے) مایوس نہیں کیا۔ (اسے فتوی دیا کہ قاتل کی توبہ قبول ہے۔)"[7]

امام قشیری (المتوفی: 465ھ) "رسالة القشيرية" میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام سری سقطی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا:

"میں نے ایک مرتبہ "الحمد للہ" کہا تو تیس سال سے اپنے اس قول سے استغفار کر رہا ہوں"۔

تو یہ کتنا تعجب خیز قول ہے کہ "الحمد للہ" کہنے پر استغفار کرنا۔ حالانکہ کتب حدیث میں ان کلمات "الحمد للہ" کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہی کلمات اللہ عزوجل اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محبوب ترین ہیں۔ حضرت امام سری سقطی (رحمۃ اللہ علیہ) "الحمد للہ" کی فضیلت کو بھی جانتے تھے کیونکہ وہ کوئی عام انسان نہیں تھے بلکہ امام ابو القاسم قشیری لکھتے ہیں:

"أبو الحسن سري السقطي كان أوحد زمانه في الورع وأحوال السنة وعلوم التوحيد"

"حضرت ابو الحسن سری سقطی (رحمۃ اللہ علیہ) ورع، احوال السنہ اور علوم توحید میں یکتائے زمانہ تھے"۔

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؒ ذخیرہ احادیث کے خلاف بات کریں تو جب تک صاحب کلام (امام سری سقطی) خود اس کی وضاحت بیان نہیں فرمائیں گے کہ 'الحمد للہ' کہنے پر استغفار کرنے سے اُن کی کیا مراد ہے؟ اُس وقت تک اشکال رفع نہیں ہو سکتا اور نہ کسی کو اُس پر حکم لگانے کی شرعاً اجازت ہوگی۔

امام قشیری (رحمۃ اللہ علیہ) آگے لکھتے ہیں کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا:

"کہ وہ کیسے آپ الحمد للہ کہنے پر استغفار کرتے رہے؟ پس آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا: ایک مرتبہ بغداد میں آگ لگ گئی (اور لوگوں کے مکانات وغیرہ جل گئے) ایک شخص میرے سامنے آیا اور اس نے کہا کہ آپ کی دکان بچ گئی، تو میں نے کہا: الحمد للہ، پس میں تیس سال سے اپنے اس قول پر نادم ہوں کہ میں نے اس سے اپنے نفس کے لئے اُس نقصان سے محفوظ رہنے کا ارادہ کیا جو مسلمانوں کو پہنچا"۔

آپ نے دیکھا کہ جب تک حضرت امام سری سقطی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے قول کی خود وضاحت نہیں فرمائی اُس وقت تک اشکال رفع نہیں ہوا اور جب آپ کی وضاحت سامنے آگئی تو آپ کا کلام "عین منشائے شریعت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)" کے مطابق ثابت ہوا۔ یہی انسانیت ہے اور یہی منشائے اسلام۔

باقی رہا قلت روایت اور ایک محدث کا دوسرے محدث سے روایت نہ لینے یا اس قسم کے جتنے بھی دیگر اعتراضات ہیں ان کو امام صاحب کی کمزوری اور ضعف پہ محمول کرنا یہ معترض کے اپنے کمزور شعور اور "ضعف فی العلم" ہونے کی دلیل ہے۔

اس قسم کے اعتراضات تو کسی محدث کی کمزوری اور ضعف کو ظاہر نہیں کر سکتے چہ جائیکہ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ کی کمزوری اور ضعف کو ظاہر کریں۔

اگر قلت روایت کو بالفرض مان بھی لیا جائے تو اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں اور قلت روایت کوئی عیب نہیں تھا اور نہ ہے۔ جو عیب اور کمزوری بنا کر امام صاحب پر چسپاں کر دی گئی۔ بندہ ناچیز کی رائے میں اگر فضیلت اور شرف کا معیار کثرت روایت پر ہوتا تو یقیناً خلفائے راشدین بزرگی اور فضیلت میں دیگر صحابہ کرام سے کم ہوتے۔ کیونکہ خلفائے راشدین کی مرویات کی تعداد دیگر کئی صحابہ کرام سے کم ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ روایت کم ہونے کی بنا پر خلفائے راشدین کی فضیلت و بزرگی پہ کسی محدث یا فقیہ نے کبھی کلام کیا ہو۔ اس لئے عقل مندی یہ ہے کہ اعتراض کرنے سے پہلے اس کی علت اور سبب کو معلوم کر لیا جائے تا کہ آدمی الزام درازی سے بچ سکے۔ اگر امام صاحب کو اتنا کثیر علم حدیث نہ ہوتا تو اتنے کثیر مسائل کا استنباط کیونکر ممکن تھا؟ جو لوگ امام اعظم کو محض سترہ احادیث یاد ہونے کا

[7](آداب الفتوى والمفتي والمستفتي للنووي، ج 1، ص 56، الناشر: دار الفكر - دمشق)
(المجموع شرح المهذب للنووي، ج 1، ص 50، الناشر: دار الفكر)
(روضة الطالبين للنووي، ج 11، ص 102، الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت)
(أسنى المطالب في شرح روض الطالب للزكريا الأنصاري ج 4، ص 281، الناشر: دار الكتاب الإسلامي)

بہتان دھرتے ہیں ان کے دامن میں سوائے تعصب و کم علمی کے کچھ نہیں - اتنے کثیر مسائل کا استنباط کہ اسلام کا اولین اور عظیم ترین فقہی مذہب وجود میں آیا، کیا آپ نے یہ عظیم استنباط صرف اُن 17 احادیث سے کیا ہے؟

بالفرض اگر اس من گھڑت فسانے کو چند لمحے کیلئے مان لیا جائے تو پھر بھی امام اعظم کی کرامت، بزرگی اور شرف ماننا پڑے گا۔

امام ابو بکر خطیب بغدادی (المتوفی: 463ھ) تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں: ابو عبد الرحمن المقری جب امام ابو حنیفہ سے روایت بیان کرتے تو فرماتے:

"قَالَ: حَدَّثَنَا شاهنشاه"[8]

"ہم سے بادشاہوں کے بادشاہ نے حدیث بیان کی"۔

امام بخاری جنہیں علم حدیث میں "امیر المؤمنین فی الحدیث" کا درجہ حاصل ہے وہ خود اپنی زبانی بیان کرتے ہیں:

"فلما طعنت فى ست عشرة سنة حفظت كتب ابن المبارك ووكيع"[9]

"جب میں سولہ سال کا ہوا تو میں نے ابن مبارک اور وکیع کی کتابیں زبانی یاد کر لیں تھیں"۔

سیدنا امام بخاری جن محدثین کی کتابوں کو حفظ کرنا سندِ علم اور مقام سعادت سمجھ کر کہہ رہے ہیں یہ دونوں آئمہ یعنی عبد اللہ بن مبارکؒ اور وکیعؒ بن جراح امام اعظمؒ ابو حنیفہ کے بلند پایہ شاگرد تھے۔

احادیث مبارک میں حضرت امام اعظم کے بارے آقا کریم (ﷺ) کی بشارت ہی تمام اعتراضات کو رفع کر دیتی ہے۔

شیخ اجل حضرت امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب "التبييض الصحيفه" میں حضور نبی کریم (ﷺ) کے اس فرمان عالی شان کی روشنی میں لکھتے ہیں:

"قال رسول الله (ﷺ) لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس (حليه)

"رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا اگر علم ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو ضرور فارس کے مردوں کی اولاد میں سے کچھ لوگ اسے پا لیتے"۔

"أقول وقد بشر (ﷺ) بالإمام أبي حنيفة فى الحديث"

"میں کہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی حدیث نبوی (ﷺ) میں بشارت دی گئی ہے"۔

اس حدیث پاک کی تخریج کرتے ہوئے بخاری و مسلم کی روایت کو نقل کرنے کے بعد امام سیوطی لکھتے ہیں:

"فهذا أصل صحيح يعتمد عليه فى البشارة و الفضيلة نظير الحديثين الذين فى الإمامين و يستغنى به عن الخبر الموضوع"[10]

پس یہ امام اعظم کی فضیلت اور بشارت میں ایسی صحیح اصل ہے جو قابل اعتماد ہے اور جن دو حدیثوں کو شیخین یعنی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے ان کی وجہ سے انسان (امام صاحب کے فضائل میں) خبر موضوع سے بے نیاز ہو جاتا ہے"۔

امام الفقہاء و خاتمۃ المجتہدین علامہ سید ابن عابدین شامی فتاوی شامی میں لکھتے ہیں:

"قَالَ الْحَافِظُ السُّيُوطِيُّ: هَذَا الْحَدِيثُ الَّذِي رَوَاهُ الشَّيْخَانِ أَصْلٌ صَحِيحٌ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ فِي الْإِشَارَةِ لِأَبِي حَنِيفَةَ، وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلَى صِحَّتِهِ"

"حافظ سیوطی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے، اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے اور اس میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف اشارہ ہے امام ابو حنیفہ کے فضائل اور مناقب میں یہ حدیث کافی ہے"۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان الثوری فرماتے ہیں:

"جو شخص ابو حنیفہ کے خلاف کرے اس کو چاہیے کہ وہ امام صاحب سے بلند مرتبہ بالا قدر ہو اور ایسا ہونا دشوار ہے"۔

جو خلاف کرنے سے باز نہ آئے ان کے بارے میں امام عبد الوہاب شعرانی الشافعی "المیزان الکبریٰ" میں لکھتے ہیں:

"اور امام اعظم صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے بارے میں بعض متعصبین کے کلام کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ان کے اس قول کی کہ آپ اہل رائے میں سے ہیں بلکہ جو آپ

---

[8] (تاریخ بغداد، ج:13، ص:344، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[9] (طبقات الشافعية الكبرى، ج:2، ص:216) (تهذيب الكمال في أسماء الرجال، ج24، ص439،) (سير أعلام النبلاء، ج:10، ص:80)

[10] (التبييض الصحيفه بمناقب أبي حنيفه، ج:1، ص:31-33، الناشر دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(رحمۃ اللہ علیہ) پر یہ طعن کرتا ہے اہل تحقیق کے نزدیک حقیقت میں اس کا یہ کلام بکواسات کی طرح ہے-"[11]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح امام اعظم استنباط مسائل، فقہ اور علم حدیث میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اسی طرح آپ روحانیت میں بھی اوجِ ثریا پر فائز تھے- سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی کتاب "محک الفقر کلاں" میں آپؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"بعد از اصحاب ولایتِ فقر بدو کس رسید، یکی حضرت شاہ محی الدین (رضی اللہ عنہ) دوم حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی (رضی اللہ عنہ) را کہ از دنیا تارک صافی بود و صوفی"

"یاد رہے کہ اصحاب پاکؓ کے بعد فقر کی دولت دو حضرات نے پائی، ایک محی الدین شاہ عبد القادر جیلانی اور دوسرے حضرت امام ابو حنیفہ کوفیؒ جو ایک تارک دنیا صوفی تھے"-

اس لئے ضروری ہے کہ جب بھی کسی معترض کی جانب سے آپ کی ذات کو نشانہ بنایا جائے تو اُس سے لاعلمی کا اظہار کیا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے- کیونکہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کا مقام و مرتبہ اسی بات کا متقاضی ہے- اور یہی حق ہے-

شیخ الاسلام امام ابن حجر ہیتمی مکی الخیرات الحسان میں لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے:

"علامہ تاج الدین سبکی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ اے طالب ہدایت تجھے یہی لائق ہے کہ ائمہ سلف کے ساتھ ادب کا راستہ اختیار کرو اور یہ کہ بعضوں کا کلام جو بعضوں کے حق میں ہوا ہے اُسے نہ دیکھ، مگر جب مدلل بیان کیا جائے پھر بھی اگر تاویل اور حسن ظن ہو سکے تو اس کو اختیار کر ورنہ ان میں جو اختلافات ہوئے ان سے در گزر کر اور اس کی طرف کان مت لگا"-

"پس اگر تو اس میں مشغول ہوا، تو تجھ پر ہلاک ہونے کا خوف ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان واقع ہوا، اس سے سکوت کر، جس طرح ہم اُن باتوں میں سکوت کرتے ہیں جو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے درمیان واقع ہوئیں"-

اَسلاف کی تعلیمات کے مطابق جو شخص اس طرح کی صاحبِ تقویٰ و صاحبِ تصرف شخصیات پر بہ غرضِ تنقیص معترض ہوا وہ ایک بہت بڑے خسارے میں مبتلا ہوا-

جیسا کہ خاتمۃ المجتہدین علامہ ابن عابدین شامی (رحمۃ اللہ علیہ) (متوفی: 1252ھ) رسائل ابن عابدین میں لکھتے ہیں:

"مَنْ فَتَحَ بَابَ الْاِعْتِرَاضِ عَلَی الْمَشَائِخِ وَالنَّظْرِ فِیْ اَفْعَالِهِمْ وَالْبَحْثُ عَنْهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ عَلَامَةُ حِرْمَانِهٖ وَسُوْءِ عَاقِبَتِهٖ وَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ اَبَدًا"[12]

"جس شخص نے مشائخ (اولیاء اللہ) پر اعتراض کا دروزہ کھولا اور عیب جوئی کیلئے ان کے افعال میں نظر کی اور (مخالفت میں) اس سے بحث کی پس بے شک یہ بد نصیبی اور بُرے خاتمے کی علامت ہے اور بے شک وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا"-

حقیقت میں امام اعظمؒ اسلامی علوم و فنون کے تمام شعبوں میں امام اور مجتہد تھے جس طرح وہ آسمان فقہ کے درخشندہ آفتاب تھے- عقائد و کلام کے افق پر بھی انہی کا سورج طلوع ہوتا تھا اور روایت و درایت کے میدان میں سابقیت فن حدیث میں یہ بہار انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے شافعی اور مالکی فقہ میں انہی کے پروردہ ہیں اور صحاح ستہ کے شیوخ اُن ہی کے فیض یافتہ ہیں وہ نہ ہوتے تو نہ فقہاء کو یہ عروج ہوتا اور نہ بخاری و مسلم کو یہ جوبن نصیب ہوتا-

آج کل بھی یہی مسئلہ ہے کہ لوگ دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرنے میں دیر نہیں لگاتے- مرشد ما جانشین سلطان الفقر حضرت سلطان محمد علی صاحب مدظلہ الاقدس کی جانب سے یہی پیغام ہے کہ کسی کے بارے میں منفی رائے قائم کرنے سے قبل اس سے ایک بار مل لینا اپنے اوپر لازم کر لیجئے کیونکہ ہمارا رب ہمیں یہی حکم فرماتا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ"[13]

"اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جا ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ"-

تاکہ ایک سنجیدہ معاشرے کا قیام عمل میں لایا جا سکے-

☆☆☆

[11] (المیزان الکبری، ج:1، ص:89، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)
[12] (مجموعہ رسائل ابن عابدین الجزء الثانی، ص:289 سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان)
[13] (الحجرات:6)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

اور ان کی فقہ کی وُسعت و جامعیّت

مفتی محمد اسماعیل خان نیازی

سراج الائمہ، امام الائمہ، مجتہدِ اعظم، بانیٔ فقہ حنفی حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) قرن اول کے آخر میں پیدا ہوئے جو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا زمانہ مبارک ہے- آپؒ نے تعلیم قرن ثانی (دوسری صدی) میں کی جو تابعین کی صدی ہے- صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی تینوں صدیوں کو سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بہترین صدیاں (خیر القرون) فرمایا ہے اور ان لوگوں کی افضلیت اور عدالت کی شہادت دی جو ان تینوں صدیوں میں ہوں-

امام ابو حنیفہ دلائل، منطق اور استدلال میں بڑے قوی تھے- ان کا فتوی، استنباط اور استخراج اس قدر مضبوط اور جامع ہوتا تھا کہ حضرت امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

> ’’امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھا ہے؟ تو امام مالکؒ نے فرمایا: بالکل- میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ تجھ سے یہ کہہ دیتے کہ اس ستون کو سونے کا بنایا گیا ہے تو ضرور اس پر اپنی دلیل قائم کرتے (یعنی دلائل سے ثابت کر دیتے اور تجھے سوائے اقرار کے کوئی چارہ کار نہ ہوتا)‘‘-[1]

کسی بھی شخصیت کو دیکھنے کا ایک زاویہ ہوتا ہے اور ہمیشہ عظیم لوگ ہی عظیم کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں- جو کام جتنا عظیم ہو گا اس کو سرانجام دینے والا بھی ایک عظیم انسان ہو گا- امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذاتِ اقدس چونکہ فقہ کے حوالے سے مشہور و معروف ہے- یہاں چند روایات علم فقہ کے حوالے سے لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

’’یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا‘‘-[2]

’’اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی‘‘-

اس آیت مبارک کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے حکمت سے مراد ’علم فقہ‘ لیا ہے- فقہ کا علم اور دین کا فہم اتنا اہم اور غیر معمولی ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس کی فضیلت میں کئی احادیث مبارکہ موجود ہیں-

1- سیدنا معاویہ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

’’مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ، وَاللہُ الْمُعْطِیْ وَ اَنَا الْقَاسِمُ‘‘-[3]

’’اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور میں (علم) کو تقسیم کرنے والا ہوں عطا کرنے والا تو اللہ ہی ہے‘‘-

2- حضرت عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ:

’’ایک مرتبہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی مسجد کی دو مجالس کے پاس سے تشریف لے گئے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ دونوں نیکی پر ہیں- لیکن ایک دوسری سے افضل ہے (جو جماعت دعا و ذکر و مراقبہ میں مشغول ہے) یہ اللہ عزوجل کو پکارتے اور اس کی رحمت میں رغبت کرتے ہیں- اگر اللہ عزوجل چاہیں تو ان کو نوازیں اور چاہیں تو محروم فرما دیں- مگر یہ دوسری فقہ و علم کی تحصیل میں مصروف ہیں اور جاہل کو (احکام و مسائل) سکھاتے ہیں، پس یہ افضل ہیں اور میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور

---

[1] ملا علی القاری، علی بن (سلطان) محمد ؒ (المتوفی: 1014ھ) مرقاۃ المفاتیح، مقدمہ، ج:1، ص:31

[2] البقرۃ:269

[3] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب فرض الخمس، رقم الحدیث: 3116

راوی فرماتے ہیں کہ آپ (ﷺ) ان کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے"۔[4]

3- حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیّدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ عزوجل کی فقاہت فی الدین سے بہتر دوسری کسی بھی طریقہ سے اچھی عبادت نہیں کی جاتی -ایک فقیہ، شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے اور ہر چیز کیلئے ستون ہوتا ہے اور دین کا ستون فقہ ہے اور حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ گھڑی بھر بیٹھ کر فقہ کی تعلیم میرے نزدیک رات بھر عبادت سے بہتر ہے"۔[5]

4- حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے روایت بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ:

میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ)!

إِنْ نَزَلَ بِنَا أَمْرٌ لَيْسَ فِيهِ بَيَانٌ: أَمْرٌ وَلَا نَهْيٌ فَمَا تَأْمُرُنَا.

"اگر ہمیں ایسے معاملے کا سامنا ہو جس کے متعلق (قرآن و سنت میں) بیان یعنی امر اور نہی موجود نہ ہو تو آپ (ﷺ) ہمیں کیا حکم ارشاد فرمائیں گے؟

آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"تُشَاوِرُونَ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِينَ وَلَا تُمْضُوا فِيهِ رَأْيَ خَاصَّةٍ"

"تم فقہاء و عابدین سے مشورہ کرو اور ایک خاص (فرد واحد) کی رائے کو نافذ نہ کرو"۔

یعنی مشاورت و شوریٰ سے کام لینا- جو کہ فقہ حنفی کی تدوین میں بنیادی اور اساسی چیز نظر آتی ہے-

5- حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے:

"سیدی رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہِ اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! اللہ عزوجل کے ہاں عبادت گزار افضل ہیں یا فقہاء؟ سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل کے ہاں ایک فقیہ ہزار عبادت گزاروں سے افضل ہے"۔[7]

مذہبِ حنفی کی تاسیس:

فقہ حنفی کی منفرد اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پہلی باقاعدہ اور باضابطہ مدوّن فقہ ہے- فقہا فرماتے ہیں کہ:

"فقہ کا کھیت حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے بویا- حضرت علقمہ (رضی اللہ عنہ) نے اس کو سینچا، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کو گاہیا (یعنی بھوسے سے اناج الگ کیا) امام ابو حنیفہ نے اس کو پیسا اور امام ابو یوسف نے اس کو گوندھا اور امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی سب لوگ کھانے والے ہیں"۔[8]

اس کی مختصر تشریح کچھ یوں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) مکہ مکرمہ میں رسول اکرم (ﷺ) کے خادم تھے اور مدینہ منورہ میں وصالِ نبوی (ﷺ) تک آپ (ﷺ) کے خادم رہے- انہوں نے اپنی ساری زندگی سفر اور حضر میں رسول اکرم (ﷺ) کی خدمت میں گزاری یعنی عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کا پیشہ صرف خدمتِ رسول (ﷺ) ہے- اس لیے وہ دین کے بہت بڑے عالم اور فقیہ بنے- عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی اس خوبی کے تحت عراق کے فتح ہونے کے بعد عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے آپؓ کو کوفہ میں تعلیم و تدریس اور قضاء کے لیے منتخب فرمایا، عہدِ عثمانی میں مدینہ منورہ میں عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی کمی محسوس کی گئی تو حضرت عثمان ذوالنورین (رضی اللہ عنہ) نے آپ (رضی اللہ عنہ) کو وہاں بلایا، پھر مسجد نبوی (ﷺ) میں درس دیتے رہے اور وفات کے بعد جنت البقیع میں دفن ہوئے- عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے بعد آپؓ کے شاگردوں حضرت علقمہ نخعی، مسروق الہمدانی، ابی قاضی شریح اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں ابراہیم النخعی، عامر الشعبی، حماد بن ابی سلیمان، پھر ان کے شاگرد امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (رحمۃ اللہ علیہ) نے ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی وہ اسلامی تعلیم لوگوں کو سکھائی جو اس جلیل القدر صحابیِ رسول (ﷺ) نے اپنی ساری زندگی میں رسول اکرم (ﷺ) سے سیکھی تھی- یہی اسلامی تعلیم مذہب

[4] الدارمی، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن المتوفی: 255ھ، ج: 01، ص: 365، کتاب العلم،

[5] دار قطنی، علي بن عمر بن أحمد، سنن الدار قطني، كتاب البيوع، ج: 6، ص: 194، رقم الحديث: 3085

[6] الطبراني، سليمان بن أحمد، المعجم الاوسط، باب: من اسمه أحمد، رقم الحديث: 1618، ج: 02، ص: 172

[7] أحمد بن علي بن ثابت (رحمۃ اللہ علیہ) (المتوفى: 463ھ)، الفقيه والمتفقه، ج: 1، ص: 105

[8] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز، رد المحتار على الدر المختار، ایڈیشن دوم، ج: 1، ص: 50

حنفی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس لیے مذہب حنفی کوئی نیا طریقہ نہیں تھا بلکہ رسول اکرم (ﷺ) کا وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) پر نازل فرمایا اور صحابہ کرام اور ان کے شاگردوں کے ذریعے امام اعظم تک پہنچا۔ اس لئے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کا سہرا امام ابو حنیفہؒ کے سر ہے اور فقہ کی باضابطہ تدوین کا شرف بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کو حاصل ہوا۔

علامہ ابن عابدین شامی (رحمۃ اللہ علیہ)، علامہ ابن حجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ) کا قول مبارک نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"امام الائمہ، سراج الائمہ ابو حنیفہ نعمانؒ، بے شک آپؒ وہ پہلے شخص ہیں: جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور کتاب اور باب پر اس کو مرتب فرمایا، جیسا کہ آج موجود ہے اور امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی موطا میں آپؒ کی اتباع کی ہے"۔[9]

اساتذہ وشاگرد:

شیخ عبد الحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے شیوخ کی تعداد چار ہزار کے قریب بتائی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) آپؒ کے تلامذہ کی بابت فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگردوں کا احاطہ دشوار ہے۔ امام شافعیؒ، آپؒ کے شاگردوں کے بھی شاگرد یعنی امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگرد ہیں (کیونکہ امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) نے امام شافعیؒ کی والدہ (جو بیوہ ہو چکی تھیں) سے شادی کی اور اپنی ساری کتابیں اور مال امام شافعیؒ کے حوالے کیا۔ تاہم ان میں مشہور و معروف قاضی امام ابو یوسف، امام محمد، حماد بن ابو حنیفہ، عبد اللہ بن مبارک، امام زفر، امام حسن بن زیاد، لیث بن سعد، مکی بن ابراہیم، فضیل بن عیاض، مسعر بن کدام اور داؤد طائی (رحمۃ اللہ علیہم) وغیرہ شامل ہیں۔

یہاں صرف نہایت اختصار کے ساتھ امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمات کا ذکر کیا جائے تو وہ کچھ یوں ہے۔ امام محمد بن الحسن الشیبانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فقہ حنفی کو عام کرنے میں اہم خدمت کی اور انہوں نے کئی کتابیں تالیف کیں۔ جن کتابوں کو ثقہ اور معتمد علماء جو عوام میں مشہور و معروف تھے انہوں نے امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا۔ وہ کتب ظاہر الروایۃ یا اصول کے نام سے موسوم ہیں۔ وہ چھ کتابیں ہیں: (۱) المبسوط (الاصل) (۲) الجامع الکبیر (۳) الجامع الصغیر (۴) کتاب السیر الکبیر (۵) کتاب السیر الصغیر (۶) الزیادات۔

"یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے علوم دینیہ میں نو سو ننانوے کتابیں لکھیں"۔[10]

یہ کتب ظاہر الروایۃ، احادیث آثار (اقوال صحابہؓ اور اقوال تابعینؒ) پر مشتمل ہیں۔ علماء امت نے مذہب حنفی کو باقی مذاہب اہل السنۃ والجماعۃ سے زیادہ صحیح پایا اور اسے اختیار کیا۔ انہوں نے ان کتابوں کی شروحات لکھیں اور بعض علماء نے انہیں مختصر کیا جنہیں متون اربعہ کہتے ہیں:

(۱) کنز الدقائق (۲) مختصر الوقایہ (۳) مختصر القدوری (۴) المختار، جس کے مصنف عبد اللہ بن محمود موصلی الحنفی ہیں۔ یہ چاروں کتب علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک نہایت ہی مستند ہیں لیکن آخری کتاب "المختار" باقی تینوں کتب سے افضل اس لیے ہے کہ وہ مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کو ذکر کرتی ہے اور پھر خود ہی اس کتاب کی شرح "والاختیار لتعلیل المختار" کے نام سے لکھی اور ہر مسئلہ کیلئے قرآن و حدیث سے دلیلیں لکھیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام اعظمؒ کا کوئی قول بھی بغیر دلیل کے نہیں ہے، اور یہ حقیقت بھی عیاں ہوئی کہ امام ابو حنیفہؒ رائے پر عمل نہیں کرتے بلکہ قرآن و حدیث سے حاصل شدہ علم کو امام ابو حنیفہؒ نے "رائے" سے تعبیر کیا۔

امام ابو حنیفہؒ نے کبھی کسی صحیح حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ ضعیف حدیث کے لیے بھی قیاس کو چھوڑا، گویا یہ فقہی امتیاز صرف امام اعظم کی فقہ میں ہے جس میں حدیث ضعیف کو قیاس پر اہمیت حاصل ہے برخلاف دیگر فقہی مذاہب کے۔

شورائی طریقے سے فقہ کی تدوین:

اللہ عزوجل کا فرمان مبارک ہے:

"وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ ۪ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ"[11]

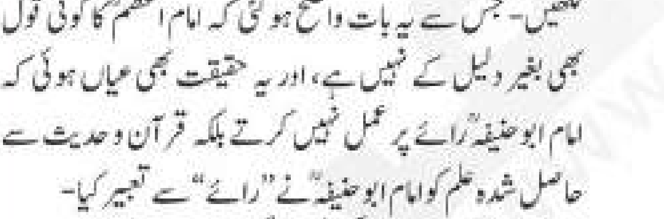

[9] ایضاً
[10] ایضاً
[11] الشوریٰ:38

"اور وہ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم رکھی اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے اور ہمارے دیے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں"۔

امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی سیرت مبارک کا مطالعہ کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذات اقدس مندرجہ بالا آیت مبارکہ کی آئینہ دار تھی۔ کیونکہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) جہاں صوم وصلوٰۃ میں اپنی مثال آپ تھے وہاں فقہ کے مسائل کے استنباط اور ان کو حتمی شکل دینے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دے رکھی تھی جس کے بارے میں امام زیلعیؒ فرماتے ہیں:

"یہ امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے امتیازی خصوصیات میں سے ہے کہ یہ (فقہ) مذہب شورٰی ہے اور اس کو ایک ایسی پوری جماعت سے روایت کیا ہے جس جماعت نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا ہے بخلاف دیگر مذاہب (فقہ) کے کہ وہ مکمل اپنے اپنے امام کی آراء پر مشتمل ہے۔ حضرت مغیرہ بن حمزہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ وہ علماء کرام جنہوں نے امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ مل کر (فقہ کی) کتب مرتب کیں ہیں ان کی تعداد 40 ہے اور یہ سب نہایت عظمت و شان والے تھے اور ان میں 10 سابقین میں سے: ابو یوسف، زفر بن ہذیل، داؤد طائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد سمتی، یحیٰی بن زکریا بن ابو زائدہ (رحمہم اللہ) ہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ ہم آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس کسی مسئلے میں اختلاف کرتے اور بعض اوقات ایک مسئلے پر تین تین دن تک بحث و گفتگو کرتے رہتے (جب سب مطمئن ہوتے تو اس کو دیوان میں لکھتے)"۔[12]

فقہ مالکی کے بانی اور مدوّن امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ)، فقہ حنبلی کے بانی و مدوّن امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) جبکہ فقہ شافعی کے مرتب امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں یعنی چار جلیل القدر فقہوں میں سے تین فقہوں کی ترتیب و تدوین ایک ایک شخص کی مرہون منت اور اس کی شبانہ روز کاوشوں کا نتیجہ ہے لیکن فقہ حنفی شورائی فقہ ہے۔ اگرچہ امام ابو حنیفہؒ علم و عمل میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ لیکن آپؒ نے فقہی مسائل کو ترتیب و تشکیل دینے کے لیے ایک کمیٹی اور مجلس شورٰی تشکیل دے رکھی تھی جس کے بارے میں مسند خوارزمی میں ہے:

"امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس ایک ہزار عظیم اصحاب کی جماعت موجود تھی ان میں سے چالیس افراد مرتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے (اور باقاعدہ مجتہد تھے)"۔[13]

حضرت شقیق بلخی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیز گار، عبادت گزار اور معزز تھے اور دین کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط تھے اور اللہ عزوجل کے دین کے بارے میں اپنی رائے دینے سے احتیاط فرماتے، آپؒ کسی بھی پیش آمدہ مسئلے پر اپنے اصحاب کو جمع فرماتے ایک مجلس منعقد فرماتے۔ آپؒ ان سے فرمایا کرتے تھے لوگوں نے مجھے دوزخ کے اوپر پل بنا دیا ہے، سارا بوجھ میرے اوپر ہے، اس لیے میرے ساتھیو! میری مدد کرو۔ (اس طرح آپؒ ان سے مکالمہ و مشاورت فرماتے اور کئی مرتبہ بعض مسائل پر مہینہ بحث چلتی رہتی) جب تسلی ہو جاتی تو فرماتے "اے ابو یوسف! اس مسئلہ کو فلاں باب میں لکھ دو"۔[14]

اس مجلس تدوین میں جو مسائل مرتب ہوئے اور جو زیر بحث آئے ان کی تعداد کیا تھی؟ اس سلسلہ میں تذکرہ نگاروں کے مختلف بیانات ملتے ہیں، مسانید امام ابو حنیفہؒ کے جامع علامہ خوارزمی نے 83 ہزار کی تعداد لکھی ہے، جس میں 38 ہزار کا تعلق عبادات سے تھا اور باقی کا معاملات سے۔

مجلس شورٰی کی خصوصیات:

امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی مجلس شورٰی کی امتیازی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے تو چند چیزیں ابھر کر سامنے آتی ہیں:

1. آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے تدوین فقہ کا کام اجتماعی کوشش کے ذریعہ انجام دینے کا فیصلہ کیا۔ امام صاحب سے پہلے بھی تدوین فقہ کا کام انجام دیا جا رہا تھا لیکن یہ سب کوششیں انفرادی تھیں اور اجتماعی کوشش میں انفرادی سعی کے مقابلے میں غلطی کا امکان بہت کم رہتا ہے۔ فقہ کی تدوین میں جن جن علوم وفنون کے ماہرین کی ضرورت تھی امام صاحب نے تمام لوگوں کو جمع کر لیا تھا۔ اس لیے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی شورٰی میں جامعیت اور کمال پایا جاتا تھا۔

---

[12] الزيلعي، أبو محمد عبد الله بن يوسف بن محمد ﷫ المتوفى: 762ھ، نصب الراية لأحاديث الهداية، باب: طريقة أبي حنيفة في التفقه

[13] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز، رد المحتار على الدر المختار، ایڈیشن دوم، ج: 1، ص: 67

[14] ایضاً

2. آپؒ کی مجلس فقہ کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ آپؒ کے ہاں تمام اراکین کو بحث و مباحثہ کی کھلی آزادی تھی - تمام اراکین اگرچہ آپؒ کے شاگرد تھے لیکن آپؒ نے انہیں کھل کر بحث و مباحثہ کا عادی بنادیا تھا- اس لئے وہ لوگ امام صاحب کی دلیل پر بھی کھل کر تنقید کیا کرتے تھے اور بہت سے مسائل میں ان کا اختلاف باقی رہا-

3. جن مسائل میں نصوص موجود نہیں تھے اور قیاس کی بھی بظاہر گنجائش نہیں تھی وہاں امام صاحب تجربہ اور عرف کی بناپر فیصلہ کیا کرتے تھے-

4. آپؒ کا یہ شورائی نظام خلفائے راشدین کے شورائی نظام کے مشابہ تھا اور جو انداز خلفاءِ راشدین کے ہاں مسائل کو حل کرنے کا تھا وہی نظام امام صاحب نے بھی رائج فرمایا تھا- گویا آپؒ نے اپنے اس عمل میں حضرات شیخین سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کی پیروی کی تھی-

5. اس شورائی نظام میں صرف پیش آمدہ مسائل ہی حل نہیں کیے جاتے؛ بلکہ غیر پیش آمدہ مسائل اور ان مسائل کے حل کی طرف بھی توجہ دی جاتی تھی جس کا کسی زمانے میں بھی پیش آنے کا امکان تھا-

6. قرآن وحدیث کی تعلیمات کی طرح آپؒ کی تعلیمات بھی آج سے کم وبیش 1400 برس قبل نافذ العمل اور اس دور کے تقاضوں کے مطابق تھیں اور آج بھی پوری آب وتاب سے چمک رہی ہیں کیونکہ آج بھی آپؒ کی فقہی تصریحات سے یا تو من وعن استفادہ کیا جاتا ہے یا پھر اس سے استنباط کرکے مسائل کو اخذ کر لیا جاتا ہے- آج فقہ حنفی میں تمام مسائل کے اولین ماخذ میں آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے تخریج کردہ فقہی مسائل ہیں-

روایت اور درایت میں توازن:

فقہ حنفی کا ایک بہت بڑا امتیاز روایت و درایت میں توازن یعنی وحی اور عقل سے اپنے اپنے موقع پر صحیح استفادہ ہے - ہماری بنیاد وحی پر ہے لیکن عقل سے انکار بھی نہیں ہے بلکہ ایک معاون کے طور پر عقل کا صحیح استعمال خود دین کا تقاضا ہے جس کا اہتمام احناف کے ہاں بے مثال پایا جاتا ہے-

امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اعتدال کے ساتھ روایت اور درایت کا رشتہ جوڑ کر دنیا کو یہ بتایا کہ روایت تو ہماری بنیاد ہے ہی لیکن درایت بھی ہماری ناگزیر ضرورت ہے-

ایک مسئلہ میں چھ اصلاحات:

امام ابو حنیفہؒ نے کئی مرتبہ مشکل فقہی مسئلہ کی اس انداز میں اصلاح فرمائی کہ آج تک اہل عدالت کیلئے فہم و ادراک کی قابلِ تقلید مثال ہیں- امام طبری (رحمۃ اللہ علیہ) ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جسے مفہوماً یہاں لکھتے ہیں:

ایک پاگل عورت نے کسی شخص کو کہا:

"یَا ابْنَ الزَّانِیَیْنِ- "اے دو زنا کرنے والوں کے بیٹے!"

اتفاق سے قاضی ابن ابی لیلیٰ نے سن لیا، انہوں نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ لاؤ، ابن ابی لیلیٰ نے اس کو مسجد میں داخل کرا کر دو حدیں لگوائیں، ایک ماں پر تہمت لگانے کی، دوسری باپ پر تہمت لگانے کی- امام صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا: ابن ابی لیلیٰ نے اس فیصلے میں چھ غلطیاں کی ہیں: اول یہ کہ وہ مجنونہ تھی اور مجنونہ پر حد نہیں ہے، دوسری مسجد میں حد لگوائی اور حدود مسجد میں نہیں لگائی جاتیں، تیسری غلطی یہ کہ اسے کھڑی کر کے حد لگوائی جبکہ عورتوں پر حد بیٹھا کر لگائی جاتی ہے، چوتھی یہ کہ اس پر دو حدیں لگوائیں؛ جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی پوری قوم پر تہمت لگائے تو اس پر ایک حد لگائی جاتی ہے، پانچویں غلطی یہ کہ حد لگاتے وقت اس عورت کے ماں اور باپ موجود نہیں تھے حالانکہ ان کا حاضر ہونا ضروری تھا، چھٹی غلطی یہ کہ دونوں حدوں کو جمع کر دیا؛ حالانکہ جس پر دو حد واجب ہوں، جب تک پہلی خشک نہ ہو جائے دوسری نہیں لگا سکتے"-[15]

فقیہانہ بصیرت:

ایک مسئلہ پیش آیا کہ:

"ایک آدمی نے اپنے دوست سے کہا کہ اگر میں تجھ سے کلام کی ابتداء کروں تو میری بیوی کو طلاق تو اس کے ساتھی نے کہا کہ اگر میں تجھ سے کلام کی ابتداء کروں تو کیا خیال ہے؟ امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے جب اس معاملے میں پوچھا گیا، تو آپ

[15] القرطبی، محمد بن أحمد، الجامع لأحکام القرآن، ایڈیشن دوم، ج:15، ص:164،163

(رحمۃ اللہ علیہ) نے ارشاد فرمایا تم دونوں جاؤ، تم پر کوئی قسم نہیں کیونکہ اس نے جب کہا: اگر میں تجھ سے کلام کی ابتداء کروں تو میری بیوی کو طلاق تو قسم پوری ہو گئی"۔[16]

حکیمانہ وفلسفیانہ طرزِ استدلال:

امام ابو حنیفہ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ آپؒ نے دینِ مبین کے ابلاغ کیلئے حکیمانہ و فلسفیانہ انداز اختیار فرمایا- آپؒ نے اپنی زندگی مبارک میں اہل باطل، دہریوں اور گمراہوں سے کئی مرتبہ مناظرے کرکے ان کو شکست فاش دی- آپؒ کے حکیمانہ طرزِ عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت عطا فرمائی، جیسا کہ ابو ولید طیالسی سے مروی ہے کہ:

"ضحاک شاری کوفہ آیا اور امام صاحب سے کہا: توبہ کرو، امام صاحبؒ نے فرمایا: کس چیز سے؟ اس نے کہا حَکم کو جائز قرار دینے سے- امام ابو حنیفہؒ نے اس سے فرمایا: تو مجھے قتل کرے گا یا مناظرہ؟ اس نے کہا: میں آپؒ سے اس پر مناظرہ کروں گا- تو آپؒ نے فرمایا اگر کسی چیز میں ہمارا، تمہارا اختلاف ہو تو فیصلہ کون کرے گا؟ اس پر ضحاک نے کہا: تم جس کو چاہو فیصل بنالو- امام صاحب نے اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص سے کہا: بیٹھ جاؤ جس چیز میں ہمارا اختلاف ہو فیصلہ کرنا! پھر ضحاک شاری سے فرمایا: میرے اور اپنے درمیان اس کے حَکم ہونے پر راضی ہو؟ اس نے کہا ہاں- تو امام صاحبؒ نے فرمایا: پھر تو تم نے خود ہی تحکیم کو جائز قرار دے دیا، اس پر ضحاک ہکا بکا رہ گیا"۔[17]

وصالِ مبارک:

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی
آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ویسے تو آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذاتِ اقدس ہر لحاظ سے باعثِ تقلید ہے لیکن دو چیزیں انسان کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہیں- پہلی یہ کہ آپؒ نے علمِ دین کو آسان اور عقلی انداز میں لوگوں تک پہنچایا اور آپؒ کا طرقِ استدلال نہایت فلسفیانہ اور حکیمانہ تھا- آپؒ نے ایسے مضبوط دلائل سے علمِ دین کو پیش فرمایا کہ مدِ مقابل کو سوائے قبول کرنے کے کوئی چارہ نہ تھا-

دوسری یہ کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی جرأت و بہادری کہ آپؒ نے جان قربان کر دی لیکن ایک لمحہ کیلئے کسی سے مرعوب نہیں ہوئے- آپؒ نے کبھی کسی سے کوئی مالی اعانت یا عہدہ قبول نہیں کیا- بلکہ اپنی گزر بسر اور دوسروں کی کفالت تجارت سے کیا کرتے تھے- یہی وجہ ہے کہ آپؒ کو جب بھی کوئی عہدہ پیش کیا گیا تو آپؒ نے انکار کر دیا-

حضرت مُغیث بن بُدیل (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"خلیفہ ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کو عہدہ قضاء یعنی چیف جسٹس کا منصب پیش کیا، لیکن آپؒ نے انکار کر دیا، تو بادشاہ (شدید غصے میں آکر) کہنے لگا کیا تو اس سے اعراض کرتا ہے جو جس کو ہم کرنا چاہتے ہیں؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ میں عہدہ قضاء کے لیے اہل نہیں- تو بادشاہ نے کہا تو نے جھوٹ بولا، تو آپؒ نے فرمایا: پس امیر المؤمنین نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اس اہل نہیں ہوں کیونکہ آپ نے میری طرف جھوٹ کی نسبت کی- پس اگر میں جھوٹا ہوں تو میں صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر سچا ہوں تو میں کہہ چکا ہوں کہ میں صلاحیت نہیں رکھتا، تو خلیفہ نے آپؒ کو قید کر دیا-[18] پہلے کوڑے مرواتا رہا پھر زہر دے کر شہید کر دیا- آپؒ نے 150ھ میں ستر سال کی عمر میں وصال مبارک فرمایا"۔[19]

علامہ ابن کثیر (رحمۃ اللہ علیہ) کی روایت کے مطابق کے لوگوں کی کثرت کی وجہ سے آپؒ کی نمازِ جنازہ چھ مرتبہ ادا کی گئی-

☆☆☆

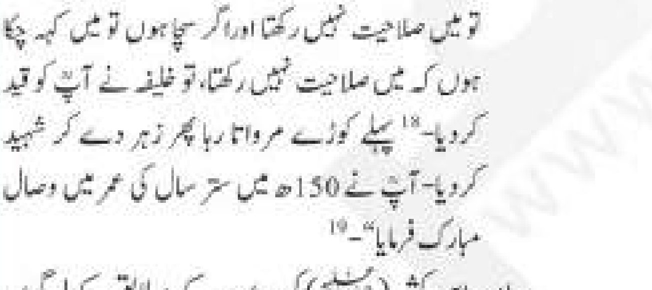

[16] السبکی، عبدالوهاب بن تقي الدين المتوفى: 771هـ، الأشباه والنظائر (الناشر: دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى 1411هـ)، ج:02، ص:323۔
[17] القرطبي، يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفى: 463هـ)، الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء مالك والشافعي وأبي حنيفة، ج:1، ص:159۔
[18] الذهبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان رحمہ اللہ المتوفى: 748هـ، مناقب الإمام أبي حنيفة وصاحبيه، ج:1، ص:26
[19] الخطيب البغدادي، أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد رحمہ اللہ المتوفى: 463هـ، تاريخ بغداد، ج:15، ص:444

فقہ حنفی کی تدوین

معاشرتی وسیاسی اثرات کا جائزہ

ڈاکٹر شہلا نور

امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ولادت 80ھ اور وفات 150ھ میں ہوئی، 132ھ میں امیہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور ابو العباس سفاح کے ہاتھوں حکومتِ عباسیہ کی بنیاد پڑی، اس طرح امام صاحب نے اموی اور عباسی دونوں حکومتوں کا زمانہ پایا- اموی حکومت میں سرحدی فتوحات کی کثرت ہوئی اور عباسی حکومت میں علمی اور قلمی ترقیاں ہوئیں، لیکن مجموعی طور پر دونوں سلطنتوں میں عوام ظلم و بربریت کا شکار ہوئے- سب سے بدتر حالت امام صاحب کے شہر کوفہ کی تھی جہاں مدت تک ابن زیاد اور اس کے بعد حجاج کی تلوار مظلوموں پر 20 برس تک چمکتی رہی- یہ امام صاحب کے اوائل شباب کا زمانہ تھا- جب عمر ثانی عمر بن عبد العزیز نے باگ ڈور ہاتھ میں لی اور ان کی ہی اصلاحی تحریک کا اثر امام صاحب پر اتنا گہرا ہوا کہ آپ کلام کے مسائل پر غور و فکر کرنے سے الگ ہو گئے اور شرعی مسائل یعنی فقہ کی طرف متوجہ ہوئے- عمر بن عبد العزیز کی مدتِ خلافت اڑھائی برس رہی اور ان کے بعد عبد الملک کا بیٹا یزید تخت پر بیٹھا (عمر بن عبد العزیز نے جب مسندِ حکومت سنبھالی اُس وقت امام ابو حنیفہ کی عمر بیس برس کے لگ بھگ تھی)- اس نے وہ تمام احکامات کالعدم قرار دیے جو عمر بن عبد العزیز نے جاری کیے تھے- یزید کے بعد امام صاحب کی زندگی میں بنی امیہ کے چھ اور حکمران ہوئے لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ تھے جنہوں نے عمر بن عبد العزیز کے اسوہ کو اپنانے کی بجائے روایتی تسلط کے طریقے کو اختیار کیا-

ڈاکٹر صبحی محمصانی نے فقہ حنفی کی ابتدا کا ذکر اور امام اعظم کا مختصر تعارف ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"مذہب حنفی کوفہ میں پیدا ہوا جس کے بانی ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں جو امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں- آپ کی علمی زندگی کی ابتدا علم الکلام کے مطالعے سے ہوئی- پھر آپ نے اہل کوفہ کی فقہ اپنے استاذ حماد بن ابی سلیمان (م 120ھ) سے پڑھی- عملی زندگی کے لحاظ سے آپ ریشمی کپڑوں کے تاجر تھے- علم کلام اور پیشہ تجارت نے آپ میں عقل و رائے سے استصواب کرنے، احکام شرعیہ کو عملی زندگی میں جاری کرنے اور مسائل جدیدہ میں قیاس و استحسان سے کام لینے کی صلاحیت تامہ پیدا کر دی تھی"-[1]

فقہ حنفی کی تدوین کا دور:

فقہ حنفی کی تدوین کا دور 120ھ سے 150ھ تک ہے- خلافت بنو عباس کے ابتدائی دور میں امام اعظم نے اپنے مذہب کو شوریٰ پر مبنی کر دیا-

"فوضع ابو حنيفة مذهبه شورى بينهم لم يستبد فيه بنفسه دونهم"[2]

"پھر امام صاحب نے اپنے مذہب کو باہمی مشورے پر مبنی کر دیا یعنی مجلس شوریٰ کے اراکین سے الگ ہو کر فقہ

[1] (صبحی محمصانی: "فلسفہ التشریع فی الاسلام"، بیروت، 1961ء، ص: 41)

[2] (موفق بن احمد مکی، مناقب ابی حنیفہ، مؤسسہ النشر الاسلامی، ج: 2، ص: 123)

کی تدوین کو خود اپنی انفرادی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں کیا"۔

موفق نے لکھا ہے:

"امام جب بیٹھتے تو ان کے ارد گرد اصحاب بیٹھ جاتے جن میں قاسم بن معن، عافیہ بن یزید، داؤد طائی، زفر بن ہذیل اور اسی قسم کے لوگ ہوتے۔ اس کے بعد کسی مسئلے کا ذکر چھیڑا جاتا پہلے امام کے تلامذۃ اپنی اپنی معلومات کے لحاظ سے بحث کرتے اور خوب بحث کرتے یہاں تک کہ آوازیں بلند ہو جاتیں۔ آخر میں امام اپنی تقریر کرتے تو سب خاموش ہو جاتے، کوئی کچھ نہیں بولتا"۔[3]

بنو امیہ کے آخری دور میں آپ حجاز چلے گئے اور وہاں سے واپسی کے بعد سے آپ کی زندگی کے آخری ایام تک وضع قوانین کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصہ میں امام کو مختلف حوادث کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن یہ کام رُکا نہیں اور اس میں مسلسل اضافے ہوتے رہتے تھے

عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں:

"كتبت كتاب ابي حنيفة غير مرة كان يقع فيها زيادات فاكتبها"[4]

"میں نے ابو حنیفہ کی کتابیں ایک سے زیادہ دفعہ نقل کی ہیں ان کتابوں میں اضافے ہو جاتے تھے جنھیں لکھنا پڑتا تھا"۔

خوارزمی نے امام ابو حنیفہ کی مجلس کے مرتب قوانین کی دفعات کی تعداد و تفصیل یوں بیان کی کہ:

"ان 83 ہزار دفعات میں سے صرف 38 ہزار مسائل کا تعلق عبادات سے اور باقی 45 ہزار دفعات کا تعلق براہ راست معاملات سے ہے"۔[5]

فقہ حنفی کی تدوین اور معاشرتی صورتحال و اثرات:

آپ کے زمانے میں اہل سنت کے اہل علم دو گروہوں میں تقسیم تھے:

اہل اثر: اس سے مراد وہ لوگ تھے جن کی توجہ اور کاوشوں کا اصل محور آثار یعنی احادیثِ نبویہ تھیں اور اجتہادی مسائل کی طرف توجہ بس ضرورت کے کم سے کم درجے تک محدود تھی۔

اہل رائے: اس سے مراد وہ لوگ تھے جن کی توجہ اور کاوشوں کا اصل محور فقہی مسائل اور اجتہادی مباحث تھیں، اور اسی لیے یہ حضرات عموماً انہی احادیثِ نبویہ تک اپنی توجہ مبذول رکھتے تھے، جن کا تعلق مسائل و احکام سے ہوتا تھا۔

امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی (رحمۃ اللہ علیہ) (متوفی:482ھ) تفقہ فی الدین کی فضیلت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"والرأي: اسم للفقه الذي ذكرنا"[6]

"اور یہ بات ہم ذکر کر چکے ہیں کہ "رائے" فقہ کا ہی نام ہے"۔

حکمرانوں کی غیر اسلامی زندگی کا ایک اثر عام لوگوں پر یہ بھی پڑا تھا کہ ان میں شرعی علوم یعنی قرآن و حدیث اور ان سے مسائل مستنبط کرنے کا عام رجحان جسے فقہ کہتے ہیں، کا رجحان کم ہوتا چلا گیا تھا۔ لوگوں کی توجہ شرعی علوم سے ہٹ کر شعر و شاعری، ادب وغیرہ کی طرف زیادہ مائل تھی، دینی مسائل میں سب سے زیادہ اہمیت ان مسائل کو حاصل تھی جن پر فلسفیانہ رنگ غالب تھا یہی وجہ ہے کہ اہل الاثر اپنا کام جانفشانی سے کر رہے تھے، جبکہ اہل الرائے یعنی حاملین علم الفقہ کا چرچا امام اعظم ابو حنیفہ کے

[3](مناقب لموفق، ج:2، ص:150)

[4](سید مناظر احسن گیلانی، حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، مکتبہ الحق، ممبئی، ص:269)

[5](حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، ص:271)

[6](https://saagartimes.blogspot.com/2022/03/blog-post_16.html?m=1)

اس طرف مائل ہونے اور علم فقہ کی تدوین کا عمل شروع ہونے سے ہوا- یہ وہ زمانہ تھا جب اسلامی حکومت کا رقبہ سندھ سے اندلس تک طولاً اور شمالی افریقہ سے ایشیائے کوچک تک عرضاً پھیل گیا تھا- اسلامی مدنیت میں بڑی وسعت آچکی تھی- عبادات و معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے کہ ایک مرتب قانون کے بغیر محض روایتوں اور وقتی طور پر واقعات میں غور و فکر سے کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا- لہٰذا انہی ضرورتوں نے فقہ حنفی کو پنپنے کا بھرپور موقع دیا- ہم انسانی زندگی سے متعلق شرعی احکامات کو درج ذیل اہم شعبوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

1. عبادات	3. اخلاقیات
2. معاملات	4. جنایات

فقہ حنفی نے جہاں عبادات و اخلاقیات و جنایات پر مسائل کا حل پیش کیا وہیں معاملات پر کام اس کا عظیم کارنامہ ہے- اس میں کامیابی کی وجوہات میں سب سے اہم وجہ جہاں معاشرتی وجوہات اور حالات کی ضرورتیں تھیں، وہیں معاملات کے مسائل کو احسن طور پر پیش کرنے اور حل تلاش کرنے میں معاون یہ ذرائع بھی ہوئے:

1. امام صاحب کا صاحب تجارت ہونا: چونکہ امام صاحب خود تجارت سے وابستہ تھے اور بڑے تجار میں شمار ہوتے تھے، اس لیے شب و روز تجارتی معاملات سے آپ کو جس قدر واقفیت رہتی ہوگی وہ بالکل عیاں ہے- اس طرح آپ کی فقہ کا دائرہ کار محض درسی مجالس تک محدود نہیں تھا، بلکہ معاشرے کے اہم ترین حصے کے براہِ راست مشاہدے پر مبنی تھا-
2. جب امام ابویوسف قاضی القضاۃ بنے تو نت نئے مسائل میں انہوں نے جتنے بھی فیصلے کیے، وہ اپنے استاذ امام ابوحنیفہ کے ہی اصول اور قواعد کی روشنی میں کیے اور یہی چیز خود فقہ حنفی کے لیے بھی بے پناہ وسعت کا سبب ہوئی کہ بہت سے مسائل جو پہلے فقہ حنفی میں موجود نہ تھے، مگر جب وہ وقوع پذیر ہوئے اور فقہ حنفی کے ماہرین نے ان کے شرعی حل مستنبط کیے تو اس سے خود فقہِ حنفی کا تحریری ذخیرہ وسیع تر ہوتا گیا اور اس طرح

دیگر فقہی مذاہب کی بہ نسبت فقہِ حنفی معاشرے میں زیادہ اثر انداز ہوتی رہی، جس کا اثر اب بھی علمی حلقوں میں تسلیم کیا جاتا ہے-

علامہ مناظر احسن گیلانی یہ کہتے تھے کہ فقہ حنفی اور مالکی تعمیری فقہ ہیں اور فقہ شافعی و حنبلی تنقیدی ہیں اور اس کی توجیہہ وہ یہ کرتے تھے:

"لوگ جانتے ہیں کہ حنفی اور مالکی فقہ کی حیثیت اسلامی قوانین کے سلسلہ میں تعمیری فقہ کی ہے اور شافعی و حنبلی فقہ کی زیادہ تر ایک تنقیدی فقہ کی ہے- حنفیوں کی فقہ کو مشرق اور مالکی فقہ کو مغرب میں چونکہ عموماً حکومتوں کے دستور العمل کی حیثیت سے تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدت تک استعمال کیا گیا ہے؛ اس لیے قدرتاً ان دونوں مکاتب خیال کے علماء کی توجہ زیادہ تر جدید حوادث وجزئیات و تفریعات کے ادھیڑ بن میں مشغول رہی- بخلاف شوافع و حنابلہ کے بہ نسبت حکومت کے ان کا زیادہ تر تعلیم و تعلم، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے رہا؛ اس لیے عموماً تحقیق و تنقید کا وقت ان کو زیادہ ملتا رہا"-[7]

یہاں یہ بات یاد رہے کہ کتاب و سنت سے استنباط عرب کی ذہنیت کے لیے بہت مناسب ہے کیونکہ وہ قرآن کریم بچپن سے سمجھتے تھے- احادیث اور آثار کے متعلق بھی ان کے علماء کو فی الجملہ علم ہوتا ہے- ان کے نزدیک اکثر مسائل کتاب و سنت سے بہ آسانی مستنبط ہوسکتے ہیں- البتہ بعض دقیق مسائل میں وہ کسی امام کی تقلید کر لیتے ہیں- نیز بنی اُمیہ کے دور میں ساری توجہ فتوحات پر مرکوز رہی اور صوبوں کے گورنروں کو اپنے اپنے لیے قاضی مقرر کرنے کا اختیار حاصل تھا- جب کبھی مرکز خلافت میں فقہا میں نزاع پیدا ہوتا، تو بنی امیہ کا خلیفہ اتنا علم رکھتا تھا کہ وہ فقہاء کے مختلف اقوال سن کر ایک قول کو ترجیح دے سکے جب خلیفہ ترجیح سے عاجز آجاتا تو فقہائے مدینہ کا فیصلہ دریافت کر لیتا- واضح رہے کہ بنی امیہ نے علمی مرکز مدینہ ہی میں رہنے دیا تھا- اسے دمشق میں منتقل نہیں کیا تھا- مگر جب خلافت کا نظام اہل

[7] (سید مناظر احسن گیلانی، شاہ ولی اللہ نمبر، ص:200)

فارس کے ہاتھ آ گیا، ان کی ذہنیت اس طرز تفقہ کی متماد نہیں تھی اور وہ ہر چیز کو ایک عقلی اصول کے ذریعہ حل کرنا ضروری جانتے تھے- عباسیوں نے سیاسی مرکز بغداد کو بنایا تو علمی مرکز بھی وہیں منتقل کر لیا- عباسی خلفاء میں اتنی علمیت نہیں تھی کہ وہ مختلف اقوالِ فقہ میں ترجیح دینے کی استعداد رکھیں- جیسے بنی امیہ کے خلفاء میں تھی- چنانچہ خلافت کے تمام اطراف بعیدہ سے مختلف فتاوی فقہیہ مرکز میں جمع ہونے لگے- ان حالات میں خلیفہ کے ساتھ ایک زبردست عالم کا ہونا ضروری تھا جو ان تمام مسئلوں سے اس کو نجات دلا سکے- اس سلسلے میں پہلے پہل خلیفہ منصور عباسی نے سعی کی کہ علمائے اہل مدینہ اس کے طرفدار بنیں، مگر ان سے اس کا توافق نہ ہو سکا- اب منصور محتاج ہوا کہ اہل عراق کے فقہا سے استمداد کرے - وہ امام ابو حنیفہ کو اس کا اہل سمجھتا تھا، امام اعظم ابو حنیفہ انقلابی سیاست کے مالک تھے- آپ فقہ کو ایسے طریقہ پر مرتب کرنا چاہتے تھے کہ عجمی ذہنیت اسے آسانی سے قبول کر سکے اور آپ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے- مگر حضرت امام کے سیاسی اختلافات کے باعث وہ ان سے استفادہ نہ کر سکا- امام ابو یوسف نے یہ ہمت دکھائی اور تمام ممالک خلافت کے فقہا کو منظم کر دیا جس سے آپ کا لقب "قاضی قضاۃ العالم" ہوا- امام ابو یوسف کے قاضی بننے سے فقہ حنفی کو جہاں مقبولیت ملی وہیں معاشرتی مسائل کا حل جدت و تنوع کے ساتھ پیش کرنے کا موقع ملا اور معاشرے میں رائج کئی غلط رویوں کی کاٹ بھی عمل میں آ گئی- معاشرتی طور پر پنپنے والے چند رویے ملاحظہ ہوں:

اموی عہد میں عربی عصبیت: امویوں میں عربوں کے لیے شدید تعصب پایا جاتا تھا- غیر عربوں کے خلاف تعصب سے کام کیا جانے لگا ان کے حقوق غصب کیے گئے- موالیوں پر بڑے مظالم ڈھائے گئے-[8]

غیر ضروری مسائل کا آغاز: عراق مختلف عقائد و افکار کا مرکز تھا- جہاں فقہ نے پنپنا تھا، مسلمانوں میں ایسے جھگڑے

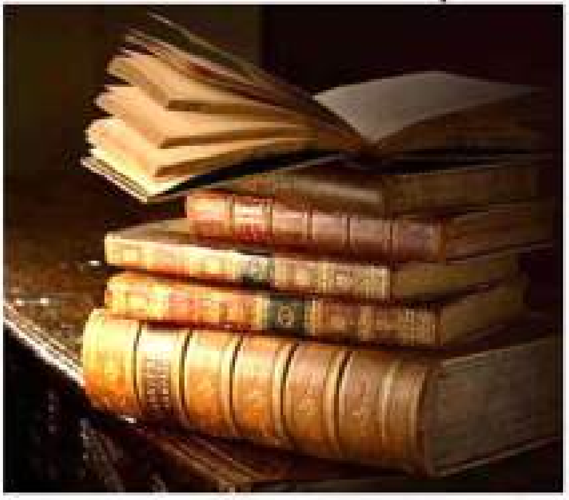

گہری سازش اور خاص ترتیب سے پھیلائے جاتے تاکہ ان کا دینی شعور مضطرب ہو جائے اور دشمنان اسلام کو طعن کا موقع مل سکے- مشہور عربی ادیب جاحظ نے اپنے بعض مسائل میں ان عیسائیوں کا تذکرہ کیا ہے جو وہ عیسائیت کی تائید کے لیے مسلمانوں میں پھیلانا چاہتے تھے- یوحنا دمشقی اموی حکومت میں مسلمانوں کو ایسی چیزیں سکھاتا تھا جن سے وہ دوسرے مسلمانوں سے جھگڑنے لگتے-[9]

یونانی فلسفہ کی اشاعت: عباسی دور میں یہ خطہ یونانی فلسفے سے متاثر ہونے لگا تھا اور کم علم لوگ جلد ہی اس فلسفے کا شکار ہو جاتے تھے - یہی وجہ ہے کہ لوگوں کا قرآن و سنت اور اس میں سے مسائل کے استنباط کا رجحان بہت ہی کم ہو کر رہ گیا تھا- ہاں ایسے دانشمند لوگ بھی تھے جنہوں نے اپنی دینی اساس پر اسے غالب نہ آنے دیا- فقہ حنفی کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا کہ وہ وہ بذات خود اس کا اثر قبول کیے بغیر لوگوں کو قرآن و سنت کے مسائل کے قبول کی طرف راغب کرے-

علماء کا اختلاف: چونکہ مختلف مذہبی و سیاسی مسالک موجود تھے تو جب علماء میں اختلاف پایا جاتا تو وہ فریق مخالف کو ہر طرح زیر کرنا چاہتے اور یہ سلسلہ مخالف پر جرح تک جا پہنچتا- حکومت بھی اپنے حامی علماء کے سر پر ہاتھ رکھتی-

[8] (شیخ محمد ابوزہرہ، حیات حضرت امام ابو حنیفہ، مترجم: غلام احمد حریری، مکتبہ کشمیر، فیصل آباد، ص:146)

[9] (حیات حضرت امام ابو حنیفہ، ص:150)

روایات کا وضع کرنا: روایات وضع کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے اپنے مخصوص افکار و نظریات سے متعلقہ شکوک وشبہات جو زبانی یا تحریری ان پر وارد کیے جاتے تھے، ان کو دور کرنے کے لیے روایت وضع کرتے اور انہیں مسلمانوں میں شائع کرتے اور بعض لوگ بالکل غلط بات تو رسول اللہ (ﷺ) کی طرف منسوب نہ کرتے لیکن تبدیلی کرتے۔[15]

جبکہ عراق میں رائے کا غلبہ تھا، انہوں نے صحبت تابعین وتبع تابعین پائی تھی۔ روایات منسوب کرنے سے بھی ڈرتے تھے۔ اہل عراق فتویٰ دینا ضروری خیال کرتے، نہ سوالات سے ڈرتے، نہ جوابات سے گھبراتے، فقہ کو دین کی اساس سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی نے معاشرتی حالات کے تناظر میں مسائل کا حل پیش کیا۔

فقہ حنفی کی تدوین اور سیاسی صورتحال واثرات:

عہد اُمیہ:

امام اعظم کا مسلک یہ تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حکومت کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ بنو امیہ کے عہد میں سیدنا امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید بن علی الشہید نے کوفہ میں خروج کیا۔ ان کے متعلق امام صاحب نے فتویٰ دیا: حضرت زید کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ (ﷺ) کی بدر میں تشریف آوری کے مشابہ ہے۔ گو چند وجوہات کی بنا پر عملاً امام صاحب حضرت زید شہید کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوئے؛ لیکن آپ نے اس جہاد کے لیے کثیر رقم بھی عنایت فرمائی۔ چونکہ امام صاحب اپنے تجارت و سخاوت، امانت و دیانت، علم و فن اور تقویٰ وطہارت کی وجہ سے کوفہ میں انتہائی بااثر لوگوں میں شمار ہوتے تھے اس لیے حکومتِ بنو امیہ آپ کو حکومت کا حصہ بنا کر عوام سے ہمدردی حاصل کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ آپ کو نرمی و گرمی ہر طرح سے مختلف عہدوں کی پیش کش کی گئی لیکن امام صاحب، ظالم حکومت کے خلاف جو مقاطعہ کا فیصلہ کر چکے تھے، اس سے سر مو انحراف نہ کیا، تا آنکہ بنو امیہ حکومت کا سورج غروب ہو گیا۔

عہد عباسی:

بنو امیہ کے خاتمہ اور عباسی حکومت کے آغاز میں امام صاحب مکہ معظمہ میں مقیم رہے، عباسی حکمراں منصور کے عہد میں امام صاحب کوفہ آئے، منصور حضرت زید شہید کی تحریک میں امام کی اس شرکت سے یقیناً واقف تھا اور کوفہ میں امام صاحب کے اثر و رسوخ کو اپنی آنکھوں دیکھ رہا تھا اس لیے سابقہ فرماں رواؤں کی طرح منصور نے امام صاحب کو اپنی حکومت کا حصہ بنانا ضروری خیال کیا چنانچہ منصور نے جب بغداد کی تعمیر کا فیصلہ کیا تو اس نے علماء، فقہاء، انجینئر اور ارباب فضل وکمال کو جمع کیا۔ اس میں امام صاحب بالخصوص بلائے گئے اور ناظم تعمیرات کی حیثیت سے امام صاحب کا تقرر ہوا۔ ابتداء منصور کے حکم کی مخالفت مناسب خیال نہ کیا اور وقتی طور پر اس عہدہ کو قبول کر کے منصور کے قریب ہوگئے، منصور بڑا مدبر اور سیاسی تھا، اس نے دھیرے دھیرے امام صاحب کو اپنی گرفت میں کرنے کی کوشش کی؛ چنانچہ امام صاحب کی خدمات سے خوشی ظاہر کر کے دس ہزار کا انعام یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ میری خواہش ہے کہ آپ یہ رقم قبول فرمالیں، امام صاحب نے کسی حیلے کے ذریعہ رقم وصول کرنے سے معذرت کردی؛ اس لیے کہ امام صاحب جانتے تھے کہ حکومت کے لقمہ، تر ہضم کر لینے کے بعد حکومت کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت ختم ہو جاتی ہے۔

[15] (حیات حضرت امام ابوحنیفہ، ص:168)

ان تمام سیاسی محرکات و اسباب کے باوجود تدوین فقہ کا سلسلہ برابر چلتا رہا، بلکہ ان تمام مسائل نے فقہ حنفی کو مزید جدت سے ہم آہنگ کیا اور اس کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ فقہ حنفی کو جہاں قبول عام حاصل ہوا وہیں فقہ حنفی پر سرکاری ظلم و استبداد بھی خوب ہوئے ہیں۔ دیگر مسالک اس سے بہت حد تک بچے رہے ہیں۔

اندلس وغیرہ میں کچھ عرصہ فقہ حنفی رواج پذیر تھی لیکن وہاں کے سلطان نے شاہی استبداد سے کام لے کر فقہائے احناف کو اپنی مملکت سے جلاوطن کر دیا۔ مقدسی احسن التقاسیم میں بعض اہل مغرب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ سلطان کے سامنے دونوں فریق جمع ہوئے سلطان نے پوچھا: امام ابو حنیفہ کہاں کے ہیں؟ کہا گیا: کوفہ کے۔ پھر اس نے پوچھا: امام مالک کہاں کے ہیں؟ جواب دیا گیا: مدینہ کے۔ تو اس نے کہا: ہمارے لیے صرف امام دار الہجرت کافی ہیں۔ اس کے بعد اس نے تمام فقہائے احناف کو ملک سے باہر نکل جانے کا حکم دے دیا اور کہنے لگا میں اپنی سلطنت میں دو مذہب پسند نہیں کرتا"۔[11]

مصر میں فقہ مالکی، شافعی اور حنفی سبھی موجود تھے؛ لیکن فاطمی حکمرانوں کے دور میں صرف فقہ حنفی کو وہاں کے حکام نے نشانہ بنایا اور اس کی وجہ سیاسی تھی؛ کیونکہ فقہ حنفی سلطنت عباسیہ کا سرکاری مذہب تھا اور عباسی خلفاء اور فاطمی حکمرانوں میں ہمیشہ چپقلش رہتی تھی، دونوں دینی سیادت و قیادت کے دعویدار تھے۔ ایک سنیوں کا نمائندہ تو دوسرا شیعوں کا نمونہ تھا۔ اسی وجہ سے فاطمی حکمرانی کے دور میں جو طویل عرصہ تک ممتد رہا۔ فقہ حنفی کو نشانہ بنایا گیا۔

اسی طرح فارس یعنی موجودہ ایران کا ایک بہت بڑا حصہ فقہ حنفی پر عمل پیرا تھا، امام الحرمین الجوینی، فخر الدین رازی، امام الغزالی اور اس طرح کے دیگر قد آور شافعی علماء بھی موجود تھے۔ آلِ سلجوق کے عہد میں شافعی اور حنفی دونوں رائج رہے لیکن زیادہ تر احناف کو فوقیت تھی۔ گو کہ صفوی خاندان کی حکومت کے بعد مذہب اہل تشیع ایران میں عام ہوا، لیکن عثمانیوں کے اثر کی وجہ سے سنی مکاتب بالخصوص احناف کا کہیں نہ کہیں اثر و رسوخ قائم رہا۔ سلاجقہ روم مکمل حنفی تھے، اس لئے ان کے تسلسل میں قائم ہونے والی سلطنتِ عثمانیہ بھی مکمل طور پہ حنفی مذہب پہ قائم تھی۔

اگر ماوراء النہر، فرغانہ اور سمر قند کے علاقوں کی مختلف مسلمان بادشاہتوں اور سلطنتوں کو دیکھا جائے تو تقریباً تقریباً سبھی کا سرکاری مکتب "حنفی" رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی زیادہ تر سلطنتوں کا سرکاری مکتب اصولِ حنفی پہ قائم رہا ہے۔

اس لئے اگر دیکھا جائے تو دیگر فقہی مذاہب کی نسبت فقہ حنفی کو حکومتوں کی سطح پہ اپنے اصول آزمانے کا زیادہ موقعہ ملا ہے جس میں اس نے اپنے اصولوں کی آفاقیت، ہمہ گیریت، جامعیت اور صداقت کو ثابت کیا ہے کہ اس میں اتنی وسعت اور گہرائی ہے کہ عباسیوں سے لے کر تیموری مغلوں اور عثمانیوں تک یہ قضا و عدالت کو بطریق احسن رہنمائی فراہم کرتی رہی ہے۔ آج بھی اس کے دامن میں اتنی وسعت ہے کہ حکومتیں اس کے اصولوں سے نہ صرف "مکمل انصاف" فراہم کر سکتی ہیں بلکہ عہد جدید کے بڑے بڑے اجتہادی مسائل امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے اصولوں کی مدد سے حل کئے جا سکتے ہیں۔

☆☆☆

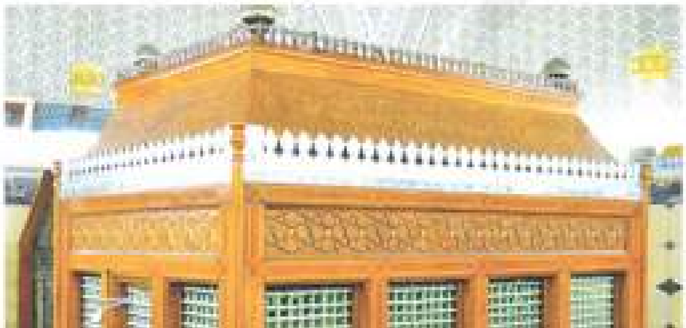

[11] (احسن التقاسیم)

پاکستانی قانون، فقہ حنفی اور عدالتی نظام

جسٹس مظہر عالم خان میاں خیل
(سابق جج سپریم کورٹ آف پاکستان)

زیر بحث مضمون دیکھنے میں نہایت آسان اور سادہ نظر آتا ہے، مگر اتنا ہے نہیں جتنا کہ نظر آتا ہے- کوشش یہ کی جارہی ہے کہ پاکستانی قانون، فقہ حنفی اور اس سلسلہ میں عدالتی نظام کا مختصر مگر جامع، احاطہ کیا جائے- ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان آئین جو کہ 14 اگست 1973ء سے نافذ العمل ہے اور اس سال اس کی گولڈن جوبلی کی تقریبات بھی منعقد کی جارہی ہیں- اس کا دیباچہ شروع ہی اس بات سے ہوتا ہے کہ حاکمیت اعلیٰ تمام کائنات پر اللہ تعالیٰ کی ہے- آگے چل کر لکھا گیا ہے کہ اس مملکت خداداد ی پاکستان کے لوگ اپنے اختیارات کا استعمال اللہ کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے کریں گے-

یہ بھی درج ہے کہ جمہوری اصول، آزادی، مساوات، برداشت اور سماجی انصاف (Social Justice) اسلام میں وضع کردہ اصولوں کے مطابق ہونگے- جہاں مسلمان اپنی نجی اور اجتماعی زندگی اسلام میں وضع کردہ اور قرآن مجید و سنت مبارکہ کے مطابق زندگی گزاریں گے- اسی طرح 1985ء صدارتی حکم (Presidential Order) کے ذریعے قرار دادِ مقاصد کو آئین کا جزو بنایا گیا اور بطور "Article-2A" شامل کیا گیا- جس میں تقریباً اسی قسم کے الفاظ میں اس طرح یہ اتنے واضح بنیادی اصول قانون کا حصہ بنادیے گئے- اس واضح نشاندھی کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ایک پاکستانی بہ حیثیت مسلمان اپنی رہنمائی کے لئے کسی اور مکتبہ فکر و مذہب کے بارے میں سوچے یا عمل پیرا ہو-

باقی دنیاوی علوم کے حصول کی رتی بھر ممانعت نہیں- میں یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کیا ہماری قوم بالخصوص وہ طبقہ اور ادارے جن کے پاس اپنی حد تک اختیار اور طاقت ہے وہ ان وضع کردہ بنیادی اصولوں کے مطابق خود یا ان کے ماتحت ادارے زندگی گزار رہے ہیں- عدالتی نظام کا حصہ رہتے ہوئے اور آئین و قانون کا ادنیٰ طالب علم ہوتے ہوئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں ان وضع کردہ بنیادی اصولوں کے منافی عمل ہورہا ہے وہاں میرے نزدیک آئینی خلاف ورزی اور آئین شکنی بھی ہورہی ہے-

میں موضوع سے تھوڑا ہٹ گیا تھا اور وہ بھی اس لئے کہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہر ذی شعور شہری اندر سے دکھی ہے اور ہماری نئی نسل کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا گیا ہے- ہم اگر اپنے دین اسلام پر نظر ڈالیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ اصولوں سے ہٹ کر ہمیں کوئی حکم نہیں دیتا- جس میں نظام حیات، انفرادی اور اجتماعی انسانی بنیادی حقوق، معاشرت اور ریاست کا انتظام و انصرام تک شامل ہیں-

ہمارے ملک کا آئین ان بنیادی اسلامی اصولوں پر مبنی ہے- مزید برآں دیگر رائج الوقت قوانین کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لینے کے لئے فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام 1980ء کو (Presidential Order) عمل میں آیا اور جن مروجہ قوانین میں اسلامی نقطہ نظر سے ابہام نظر آیا تو فیڈرل شریعت کورٹ نے رہنمائی کی-

مشہور تقابلی جائزے میں سے چند ایک بیان کئے جاتے ہیں- دفعہ 4، قانون مزارعت موروثی کو اسلام کے شعائر سے متصادم قرار دیا- اسی طرح دفعہ 4، اسلامی عائلی قوانین آرڈیننس 1961ء اسلام کے وراثتی اصولوں سے متصادم ہونے

پر ایک تفصیلی فیصلہ جو کہ PLD 2000 FCS P/1 میں شائع ہوتا، کالعدم قرار دیا۔

میری معلومات کے مطابق اس فیصلہ کے خلاف اپیل تا حال فیصلہ طلب ہے اور Art. 203 (2) Proviso کے مطابق فیصلہ تا فیصلہ اپیل ناقابل عمل ہے اور اس کے نتیجے میں وہی پرانی صورت حال قائم ہے۔اسی طرح سود کی حرمت کا فیصلہ بھی فیڈرل شریعت کورٹ (وفاقی شرعی عدالت) کا اہم فیصلہ ہے۔میری معلومات کے مطابق وفاقی حکومت اس فیصلہ کے خلاف اپنی درخواست واپس لے چکی ہے اور اس فیصلہ پر عمل درآمد کے لئے حکومتی سطح پر ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی ہے اور اس پر کام جاری ہے۔

اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل رائج الوقت قوانین کا جائزہ لیتی رہتی ہے اور حکومت کو اپنی سفارشات پیش کرتی ہے۔

چونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہر مکتبۂ فکر اور مذہب کے لوگ رہتے ہیں جنہیں اپنے مسلک اور مذہب پر عمل پیرا ہونے اور دیگر جملہ بنیادی حقوق جو آئین میں دیے گئے ہیں، حاصل ہیں۔

میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں بلکہ میرا عقیدہ ہے کہ انسانی بنیادی حقوق سب سے پہلے ہمارے حضور نبی کریم (ﷺ) نے اپنی عملی زندگی میں عمل پیرا ہو کر اور پھر آخر میں اپنے آخری خطبہ میں واضح کر دیے تھے۔میرا دعویٰ ہے کہ اہل مغرب نے یہ تمام حقوق، اصولِ دین اسلام سے اخذ کئے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر آج مغرب دوہرے معیار میں ان اصولوں، بنیادی حقوق کا استعمال وہ اپنی مرضی اور من مانی کے مطابق کرتے ہیں۔جبکہ ہم مسلم امہ مغرب کی اندھی تقلید میں زوال کے آخری درجوں پر ہیں گو کہ مغرب کی اخلاقی پستی بھی اپنی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔لیکن ہمارے معاشرے کا وہ طبقہ جو کہ اُن کے زیر اثر ہے، اُن سے کسی درجہ کم نہیں ہے۔

اوپر کی گئی بحث سے میں یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ اسلامی بنیادی اصولوں سے انحراف بھی آئینی خلاف ورزی کے زمرے میں آتا ہے۔ان تلخ حقائق کی بنا پر میرا قلم مجھے موضوع سے ہٹنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

چونکہ ہمارے ملک کی کثیر آبادی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی کے اصول فقہ کی پیروکار ہے جنہیں امام اعظم کا درجہ بھی حاصل ہے۔امام اعظم ابو حنیفہ کا زمانہ فقہی مذاہب میں حضور نبی کریم (ﷺ) کے زمانے سے زیادہ قریب کا زمانہ ہے اور اس فقہ کی ایک خاص بات جو کہ باقی آئمہ میں کم نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس فقہ کے اصول و ضوابط شوریٰ کے ذریعے طے کئے ہوتے تھے اور امام صاحبؒ اپنی ذاتی رائے سے مسئلہ نہیں لکھواتے تھے۔بلکہ شوریٰ کی بحث و مباحثہ کے بعد جو آخری رائے قائم ہوتی تو اس کو اصول اور قوانین کی کتابوں میں درج کیا جاتا اور کئی بار ایسا ہوا کہ مجلس شوریٰ میں ایسے پیچیدہ مسائل درپیش ہوتے کہ کئی کئی روز ان پر غور و خوض ہوتا رہتا اور یہ عمل نتیجہ اخذ ہونے تک جاری رہتا۔

ہمارے ملک کے قوانین خاص طور پر عائلی قوانین، وارث، شادی بیاہ، طلاق، معاشرت وغیرہ فقہ حنفی کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہیں۔جہاں کہیں ایسی کمی یا خامی نظر آئی وفاقی شرعی عدالت نے اس قانون کو دیکھا اور اپنی رائے اور فیصلہ دیا۔

اختلاف رائے ایک فطری اور انسانی عمل ہے۔دیگر فقہاء کرام جیسے امام احمد بن حنبل، امام شافعی، اور دیگر آئمہ (رحمہم اللہ) نے اگر کہیں اختلاف کیا تو انہوں نے بھی ہمارے سب کے بنیادی ذرائع (sources) قرآن و سنت کی روشنی میں کیا۔یہ بات میں واضح طور پر کہتا ہوں کہ کوئی فقہی اختلاف کسی کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔میرا مشاہدہ ہے کہ اس فقہی اختلاف کو بنیاد بنا کر عدم برداشت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور بات گالم گلوچ، قتل و غارت سے بڑھ کر کفر کے فتویٰ تک پہنچ جاتی ہے۔میرے علم و فہم دین کے مطابق ان فقہی اختلافات کی بنیاد پر کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کفر کے فتوے لگا سکے۔

میرے نزدیک یہ بہت اہم مسئلہ ہے اور اس سلسلہ میں سب سے بڑی ذمہ داری ان کی ہے جن کی آواز منبر رسول (ﷺ) سے ہم جیسے کم فہم اور کم علم لوگوں تک پہنچتی ہے۔عقائد و اخلاقیات کی درستگی کے لئے علمائے کرام پر بہت بڑی ذمہ داری ہے اس بنا پر ان کی باز پرس بھی شاید ان کی ذمہ داری کے حساب سے زیادہ ہوگی۔

☆☆☆

مشتعل ہجوم کا اِنصاف

اور فقہائے اَحناف

مفتی محمد شیر القادری (تخصص فی الفقہ والافتاء)
معاون ستار تحقیق: آصف تنویر اعوان (ایل ایل ایم-ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

منصفانہ سماعت کا حق 'Right to fair trail' ہر شہری بلکہ ہر شخص کے بنیادی حقوق میں سے ہے- ملزم کا عدالت کے سامنے پیش ہونا اور بلا خوف و خطر اپنا دفاع وصفائی پیش کرنا قانون کی حکمرانی کا اہم تقاضا ہے اور قانون کی حکمرانی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ سب لوگ قانون کے سامنے برابر ہیں یعنی: "No one is above the law".

اپنی طاقت یا کج شعوری اور کم عقلی کی بنیاد پر عدالت کے سامنے پیش نہ ہونا یا ریاست کا انکار کرتے ہوئے اپنی الگ عدالت قائم کر بیٹھنا اور زعم باطل میں قاضی بن کر لوگوں کی زندگی اور موت کے فیصلے کرنے کو قانون کی زبان میں ماورائے عدالتی عمل (Beyond Judicial process) اور ماوراء عدالتی قتل (Extrajudicial killings) کہا جاتا ہے-

چونکہ عدالت انصاف سے عبارت ہے اور انصاف کیلئے قرآن کریم میں عدل کا لفظ استعمال ہوا ہے-[1] عدل اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے- جس کے ایک معنی راہ اعتدال اور اصول توازن کو ترک کرنے کے بھی ہیں: جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُوْنَ

"بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو (راہ حق سے) پرے ہٹ رہے ہیں"-[2]

عدل کی تفسیر میں مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ عدل کا قیام حاکم، امام، خلیفہ یا مزید جامع اصطلاح میں ریاست کی بنیادی ذمہ داری اور اولین فرائض میں سے ہے- اس لئے عدالت لگانا اور فیصلہ صادر کرنا حاکم کا کام ہے- اگر عوام میں سے اس کے برعکس کوئی قدم اُٹھاتا ہے تو یہ براہ راست حاکم کے اختیارات میں مداخلت ہو گی-

ریاست ایک شہری کو جہاں کئی طرح کے حقوق فراہم کرتی ہے وہیں شہریوں پر کئی قسم کے فرائض بھی عائد کرتی ہے جن میں سے قانون کا احترام یعنی قانون کی پابندی کرنا بھی آتی ہے-

اس اصول کہ "No one is above the law" کے تحت اسلام عدالت کو خود مختاری اور آزادی فراہم کرتا ہے اور عدالتی نظام کو اتنا مضبوط کرتا ہے کہ حکومت وقت بھی عدالت کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے-

عینیہ بن حصن (رضی اللہ عنہ) جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں تالیف قلب کے طور پر کچھ زمین دی تھی- حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ خلافت میں وہ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئے اور ان سے بھی ایک قطعہ زمین حاصل کر لیا اور اس بارے میں ایک تحریر بھی لکھوالی- اُس کی تائید مزید کیلئے وہ زمین کی دستاویز حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ مجھے خلیفۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قطعہ زمین دیا ہے اور ساتھ ہی یہ تحریر بھی لکھ دی ہے- آپ سے درخواست ہے کہ آپ بھی اس پر اپنی مہر ثبت کر دیں- حضرت عمر، جو عینیہ بن حصن

---

[1] قرآن میں کسی جگہ 'انصاف' کا لفظ نہیں آیا- اسی طرح انصاف کی اصطلاح کو فقہائے بھی استعمال نہیں کیا البتہ عدل و انصاف کیلئے کتب فقہ میں ایک دوسرا لفظ "قضاء" کا آتا ہے-

[2] عدل کی تعریف میں جامع تعریف اسی لئے یہی کی جاتی ہے کہ کسی شے کو اس کے درست مقام پر رکھنا ہی عدل ہے- یعنی کسی کو ناحق سزا دینا یا کسی کا کسی دوسرے کو اپنی اختیار سے تجاوز کرتے ہوئے کوئی کام کرنا خلاف عدل ہے- اگر کسی کے اختیار میں کسی کو بری الزمہ کرنا یا کسی کو سزا دینا اختیار نہیں اور ایسا کرنا اس کا خلاف عدل ہے-

اور اقرع بن حابس کے مسلمانوں کے ساتھ رویے سے واقف تھے، مسلم معاشرہ بھی ان کے رویہ پر مطمئن نہیں تھا، نہ صرف یہ کہ حضرت عمر فاروق نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا بلکہ دستاویز ہی کو چاک کر دیا۔ عیینہ بن حصن (رضی اللہ عنہ) غصہ میں واپس حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئے اور بھڑکانے کے انداز میں کہا کہ اے ابو بکر بتایئے کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ حضرت ابو بکر مسئلہ کی نوعیت کو سمجھ گئے۔ عیینہ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے حضرت عمر کے خلاف کوئی رد عمل پیدا نہیں ہوا، تو اس نے درخواست کی کہ اسے نئی دستاویز لکھ دی جائے۔ اس پر حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ جس فیصلہ کو عمر نے رد کر دیا ہو میں اس کے بارے میں اب کچھ نہیں کرتا۔[3]

تاریخ اسلام میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ معروف مثال ہے کہ جب حاکم وقت مولائے کائنات حضرت علی (رضی اللہ عنہ) قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہو کر اپنے خلاف ہونے والے فیصلہ کو تسلیم کر رہے ہیں تو پھر عوام کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ عدالت کے اختیارات پر قدغن لگائے یا عدالت کے اختیارات میں مداخلت کرے یا عدالت کو یرغمال بنائے۔ یا ریاست کی متعین کردہ عدالت کی جگہ ایک مشتعل ہجوم عدالت لگالے۔

یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عدالت کیلئے بھی فرض عین ہے کہ وہ اپنے اوپر کتاب و سنت کو حاکم سمجھے، ہر ذی مرتبت اپنے منصب کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے آپ کو جواب دہ سمجھے اور مخلوق خدا کو "الخلق عیال اللہ" کے منصب جلیلہ پر فائز سمجھتے ہوئے اُن کے ساتھ احترام، خیر خواہی اور انصاف کا سلوک کرے۔ عدالت کی لوگوں کے ساتھ اس سے بڑی اور اعلیٰ خیر خواہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے مسائل کو کم سے کم وقت میں نمٹایا جا سکے، انصاف کے طریقہ کار کو واضح رکھا جائے اور بیرونی دباؤ یا مداخلت کو قبول نہ کیا جائے۔

باقی رہی قانونی پیچیدگیاں تو اس حوالے سے صرف اتنا ضرور جاننا چاہئے کہ قانون و شریعت کا بنیادی اصول یہ ہے:

"الأصل براءة الذمة"[4]

یعنی اصل یہ ہے کہ انسان ہر طرح کی ذمہ داری سے بری ہوتا ہے۔

اس وقت تک جب تک کوئی شخص کسی دلیل سے اس کے خلاف کوئی چیز ثابت نہ کر دے، اسے بری الذمہ ہی تصور کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مدعا علیہ کے ذمے بار ثبوت نہیں ہے۔ البتہ دروغ گوئی کے احتمال سے بچنے کے لیے اس کو قسم دینے کا اصول رکھا گیا ہے بشرطیکہ مدعی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہو اور وہ مدعا علیہ کو قسم دلانے کا مطالبہ کرے۔ اس لئے اگر کوئی الزام لگا رہا ہے تو اس کو جرم ثابت کرنا پڑے گا، جو باقاعدہ عدالتی کاروائی کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے۔ یوں ہی مجاز عدالت میں دعویٰ ثابت نہ ہونے تک کسی کو مجرم ٹھہرانا یا ماورائے عدالت سزا دینا غلط و غیر قانونی ہو گا چاہے الزام کی نوعیت جیسی بھی ہو۔

محض الزام یا بغیر باقاعدہ عدالتی کاروائی کے صرف سنی سنائی بات پر کسی کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی شخص کو عدالت میں ملزم سے مجرم ثابت کرنے کے لئے ایک واضح طریقہ کار ہے جس کی بنا پر اُسے سزا یا بری قرار دیا جا سکتا ہے۔ بغیر کسی ضابطہ یا معیار ثبوت کے (جو شواہد، گواہوں، واقعاتی شہادتوں اور قرائن عدالت میں قابل قبول ہوں) کسی کو مجرم ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ عدالت صرف کسی ایک چیز کو نہیں دیکھتی بلکہ نیت، فعل کو سرزد کرنے کی نوعیت اور شک کا فائدہ وغیرہ دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے۔

اسی طرح مذہبی مقدسات کی بابت ہر قسم کی توہین آمیزی کے مسئلہ میں مسلم و غیر مسلم دونوں کی سزاؤں میں

---

[3] (اخبار القضاۃ،ج:1،ص:104)

[4] شہاب الدین السید احمد بن محمد الحموی، غمز عیون البصائر شرح کتاب الأشباہ والنظائر (بیروت-دار الکتب العلمیہ،1985م)۔ج:1،ص:203

فرق ہے اور ان کی سزاؤں کے نفاذ کی ذمہ داری خالصتاً حکومت کا کام ہے۔

حکمران کے فرائض میں سے اولین، بنیادی اور اہم فریضہ معاشرے کو فساد اور انتشار سے بچانا ہے۔اس لئے حاکم وقت کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ قانون ہاتھ میں لینے والوں کو مناسب تادیبی سزا سنائے۔ایسے بہت سے امور ہیں جنہیں شریعت نے ممنوع قرار دیا لیکن ان کے لیے قرآن یا سنت میں کوئی دنیوی سزا معین و مقرر نہیں کی۔ ایسے امور میں قانون سازی کا اختیار سیاسہ شرعیہ کے اصول کے تحت حاکم وقت کو حاصل ہوتا ہے۔ اس قسم کی تادیبی کاروائی کیلئے حکمران کو جو اختیار حاصل ہے، اُسے حنفی فقہ کی اصطلاح میں "سیاست" کہتے ہیں۔ یہ حنفی فقہ کا ایک نہایت اہم قاعدہ ہے۔ خاتمۃ المحققین علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی سیاسہ شرعیہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حکمران کو شریعت کا عطا کردہ وہ اختیار ہے جس کے تحت وہ معاشرے سے فساد کے خاتمے کے لیے ان امور میں مناسب سزا سنا سکتا ہے جن کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہو۔

احناف کے نامور امام شمس الائمہ سرخسی نے اپنی نادر تصنیف المبسوط، جلد:9 میں تصریح کی ہے کہ:

"استیفاء الحد الی الامام"

"حد کا استیفاء امام کا کام ہے"۔

یعنی اصول یہ ہے کہ حکمران کے سوا کوئی شخص حد نافذ نہیں کر سکتا۔ یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیئے اور نا ہی کسی غلط فہمی میں رہ کر گڈ مڈ کرنی چاہیئے کہ شاید حد کے علاوہ تعزیر کی سزا دینے کا اختیار عوام کا ہے، قطعاً نہیں۔ یاد رہے کہ وہ حق بھی حاکم کا ہے۔

حنفی فتووں کے معروف مجموعہ 'فتاوی عالمگیری، جلد: 3' میں درج ہے کہ:

"حد کا رُکن یہ ہے کہ امام المسلمین اس کو قائم کرے یا، جو قائم کرنے میں امام کا نائب ہو"۔

اسی ضمن میں 'رد المحتار، جلد:6' میں حجۃ الاحناف علامہ ابن عابدین شامی کی یہ بات پڑھی جائے تو صورتحال مزید واضح ہو جاتی ہے:

"فالوجوب لا يثبت بمجرد الفعل بل على الامام عند الثبوت عنده"

"یعنی حد کا وجوب محض فعل کے سرزد ہونے سے نہیں ہوگا۔بلکہ امام کے ہاں اس کا ثبوت بھی ضروری ہے"۔

فقہائے احناف کے مطابق حدود و تعزیرات کا نفاذ حاکم یا قاضی کی ذمہ داری ہے۔فقہاء یوں بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی کا جرم عدالت میں ثابت ہو جائے تو پھر بھی اس کو مجاز اتھارٹی کے علاوہ کسی دوسرے کو اختیار و حق نہیں پہنچتا کہ سزا دے، چاہے وہ سزا حد کی ہو یا تعزیر کی۔ اگر ایسی صورتحال ہو تو اسے فقہائے کرام نے "افتیات" کے زمرے میں شمار کیا ہے ۔یعنی قانون کو ہاتھ میں لینا جس کا سادہ اور عام فہم مفہوم یوں ہے کہ کسی شخص نے اپنی طرف سے حدود کو نافذ کیا تو نہ صرف حکمران کے حق پر ڈاکہ ڈالا بلکہ فساد کا مرتکب بھی ٹھہرا اور ایسے شخص کو تادیباً قاضی سزا دے گا۔

اس صورتحال میں 'رد المحتار' میں ہے کہ اب اگر کسی نے افتیات کا ارتکاب کیا اور جو سزا تھی وہ نہیں دی تو وہ فساد کا مرتکب ہوا جس کے لئے وہ سزا کا مستحق ہے۔اس کے علاوہ اگر اس نے بعینہٖ وہی سزا دی جو قانون کے مطابق تھی تب بھی حاکم کا حق غصب کرنے، ریاست کے اختیار کو چیلنج کرنے اور فساد کے مرتکب ہونے کی وجہ سے سزا کا مستحق ٹھہرے گا اور فساد کے ارتکاب پر حاکم وقت اُسے تادیبی سزا دے سکتا ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ مذکورہ بالا صورتحال تب ہوگی جب کسی کا جرم ایک عدالت میں ثابت ہوا ہو۔ اگر ایسا شخص جس کا جرم قانوناً ابھی ثابت نہ ہوا ہو یا بغیر باقاعدہ عدالتی کاروائی کے کسی جتھہ، جنونی گروہ یا مشتعل ریوڑ نے انصاف کے نام پر کسی کو سزا دی ہو، تو اُسے فقہاء عدوان کے عنوان کے تحت لائے ہیں۔ بس عدوان کی صورتحال و نوعیت کو دیکھتے ہوئے اس پر قصاص، دیت، ارش یا حکومۃ عدل (جسے مجموعۂ تعزیرات پاکستان میں "ضمان" کہا گیا ہے) کے احکام کا اطلاق ہوگا۔

حد کے نفاذ سے پہلے جرم کا ثبوت ضروری ہے اور جرم کا ثبوت صرف قاضی کرے گا اور وہ بھی صحیح العقیدہ مسلمانوں کی شہادتوں کے ساتھ۔ محض الزام، شک یا گمان سے کسی پر کوئی حد یا تعزیز نافذ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگر کسی کو ہجومی انصاف کے بھینٹ چڑھا دیا جائے اور بعد میں سزا پانے والے کو توہین کنندہ یا مرتد ثابت نہ کیا جاسکے تو قاتلین کو قصاصاً سزا دی جائے گی یا دیگر سزا فساد کے مرتکب ٹھہرنے پر دی جائے گی۔

حنفی فقہاء نے دو قسم کی سزائیں بیان کی ہیں ایک حد اور دوسری سیاسۃ۔

حد حقوق اللہ ہے اور سیاسۃ "حقوق الامام" یعنی حاکم وقت کا حق ہے۔ اگر کسی مسلمان پر گستاخی ثابت ہو چکی ہے اور اس گستاخ کو کوئی قتل کر دیتا ہے تو اس پر قصاص نہیں ہو گا لیکن افتیات کی وجہ سے قاضی اسے تادیباً سزا دے گا۔ اگر گستاخی ثابت نہیں ہوئی یعنی تحقیق کے بعد پتا چلا کہ وہ تو کسی نے ذاتی دشمنی، سیاسی مخالفت، کسی بھی قسم کے تعصب یا کسی نے اپنے زعم میں اُسے گستاخ ٹھہرایا تھا اور وہ ہرگز گستاخ نہ تھا بلکہ وہ تو محب رسول (ﷺ) تھا، اور تحقیق سے پہلے اس کو قتل کر دیا تو یہ قتل عمد ہو گا جس کے قصاص میں یہ قاتل خود قتل کیا جائے گا۔

آج کے اشتعال انگیز ہجومی انصاف کو دیکھا اور فتاوی نوریہ جلد سوم میں شیخ الحدیث، فقیہ العصر ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی صاحب کا یہ فتوی دیکھا تو معلوم ہوا کہ عوام کسی صورت قانون کو ہاتھ میں نہیں لے سکتی۔ فرمایا گیا:

ایک امام مسجد جو فاسق و فاجر ثابت ہوا۔ اس کے بارے میں مقتدیوں و دیگر کو فرماتے ہیں۔ "شرعاً وہ مجرم ہے، اس کی تعزیر لگائی جائے جو حاکم شرعی کا کام ہے۔ بس آپ کا صرف یہی کام ہے کہ اس سے الگ ہو جائیں"۔

تاہم مشتعل ہجوم کے درندگانہ طریقہ، قانون کو ہاتھ میں لینے کے، بلکہ ان کا اصل مقصد تو قانون کو پاؤں تلے روندنا ہوتا ہے، کے حامی دلائل دیتے ہیں کہ شمس الائمہ سرخسی کے فتوی میں مباح الدم (یعنی جس کا خون بہانا حلال ہو چکا ہو) کو قتل کرنا جائز ہے کہ شمس الائمہ سرخسی 'المبسوط' میں فرماتے ہیں:

"من قتل حلال الدم لا شي عليه كمن قتل مرتدا"

لیکن اس میں جو سمجھنے کی بات ہے وہ یہ ہے کہ قتل کرنے سے پہلے اس کے "مباح الدم" ہونے کا مکمل شواہد کے ساتھ مکمل یقینی ہونا ضروری ہے اور اس میں پہلا سوال یہ ہے کہ اسے "مباح الدم" کس اتھارٹی نے قرار دیا ہے؟ اور گستاخ کا حکم لگانے کی یہ اتھارٹی کس کے پاس ہے؟ آئین و قانون کی حکمرانی پہ یقین رکھنے والوں اور علم و شعور سے واسطہ و علاقہ رکھنے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ ریاست کی مقرر کردہ عدالت ہی الزام ثابت ہو جانے کی صورت میں کسی کو "مباح الدم" قرار دے سکتی ہے۔ تو اس میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے اس کے "مباح الدم" ہونے کا من جانب قاضی (مجاز عدالت) ثبوت ہو پھر اس کو قتل کرنے پر قصاص نہیں ہو گا۔ تاہم ماورائے عدالت قتل پر افتیات کی وجہ سے پھر بھی تعزیز نافذ ہو گی۔

اگر ہر آدمی اپنے زعم میں گستاخ رسول اور توہین کنندہ کا خود ساختہ معیار بنا کر اپنے تئیں "مباح الدم" (یعنی خون بہانا حلال) ہونے کی اجازت دینا شروع کر دے تو جو ریاست کی صورت حال ہو گی یا اس کے نتیجے میں اسلام کے ساتھ لوگوں کی جو وابستگی رہے گی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ہجوم کے انصاف میں باقی مسائل کے ساتھ شک کا فائدہ بھی ملزم کو دیا جانا ممکن نہیں۔ اسلامی قانون کا یہ ایک مسلمہ اصول شک کا فائدہ (Benefit of the Doubt) کے بارے ہے کہ ملزم کو شک کا فائدہ دینا چاہیے اور یہ فائدہ اس حد تک دیا جاتا ہے کہ قاضی اگر کسی مجرم کو معاف کر دینے میں غلطی کرے تو یہ اس غلطی سے بہتر ہے کہ وہ کسی

بے گناہ کو سزا دے- لہٰذا ملزم قانون کا 'accused is the favourite child of law' ہوتا ہے-

علاوہ ازیں، فوری یعنی بغیر تحقیق کے اور فساد آمیز و اشتعال انگیز ہجومی انصاف اصل میں عدل و انصاف کا قتل ہے جیسا کہ انگریزی کا مقولہ ہے:

Justice Hurried Is Justice Buried-

ہجومی انصاف میں ملزم کے پاس نہ تو صفائی کا امکان باقی رہتا ہے اور نہ ہی اس کی جانب سے توبہ اور رجوع کے لیے گنجائش چھوڑی جاتی ہے-

مشتعل ہجوم کے ہاتھوں مارے جانے والے کی دیت کس پر ہوگی؟ ذمہ کس کے ہوگا؟ جیسے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے دور میں ایک ہجومی / بھگدڑ میں ایک شخص کی جان چلی گئی تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا فیصلہ کہ انسانی جان ضائع نہیں کی جا سکتی، اس کی دیت ادا کرنی ہوگی-

ایسے مشتعل ریوڑ کے انصاف میں بہت سے بے گناہ کسی کے نفس کی خواہش، پس پردہ سازش اور تعصب و عداوت وغیرہ کا شکار ہو جاتے ہیں- جیسے کوئی کسی پر مذہبی و سیاسی و سماجی فرقہ وارانہ اختلافات و تعصبات کے سبب یا دیگر مفادات و اغراض (مثلاً اراضی یا لین دین کا تنازعہ، محرمات میں مداخلت کا شک وغیرہم) کے لئے گستاخی یا توہین کا الزام لگا دے تو (موجودہ روش جاہلانہ میں) اس ملزم کا ماورائے عدالت قتل یقینی ٹھہرتا ہے-

ہم سب نے مل کر جو معاشرت بنائی ہے نہایت بد قسمتی ہے اس میں جھوٹ، ملاوٹ، بے ایمانی، دھوکہ دہی اور استحصال عام روش بن چکا ہے اس لئے جھوٹے مقدمات، بے بنیاد سنگین الزامات اور انائے نفس کی تسکین و انتقام کیلئے حد درجہ تک گر جانا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے جھوٹے مقدمات بنانا اور الزام عائد کرنا، پاکستان کے قانونی نظام کی رو سے الزام کا ثابت کرنا استغاثہ کا کام ہے، نہ کہ شکایت کنندہ کا- جیسا کہ سنن ترمذی میں مروی حدیث مبارکہ میں اصولی قاعدہ بیان ہوا کہ:

"اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ"

”بار ثبوت مدعی پر اور قسم مدعیٰ علیہ پر ہے“-

اس طرح ہجومی انصاف اس قاعدہ کی خلاف ورزی کی بدترین شکل ہے- ہاں اگر کوئی کسی کے خلاف جھوٹی شکایت و جھوٹا مقدمہ دائر کرے اور نظام عدل کو ظلم کے لئے استعمال میں لائے تو اس کے لئے اسے مختلف دفعات مجموعۂ ضابطۂ فوجداری اور مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان کے تحت سزا دی جا سکتی ہے- یوں اس قانون کا غلط استعمال ممکنہ حد تک رُک سکتا ہے لیکن ہجومی انصاف سے یہ ناجائز استعمال اور بے گناہ جانوں کا قتل لازم ٹھہرتا ہے-

ان تمام نتائج سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی مسئلہ یا معاملہ میں مشتعل افراد یا بپھری ہوئی عوام کو ہرگز ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قانون کو ہاتھ میں لیتے ہوئے خود فیصلہ کریں اور مجرم پر حدود و قصاص نافذ کریں- اگر عوام الناس کو یہ حق دیں تو ریاست اور ریاست اسلامیہ کے شعبۂ قضاۃ کے قیام کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے- اس لئے ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ایسی حرکات کا ارتکاب کرنے والوں کو آئینی و قانونی سزا دی جائے تاکہ اس فروغ پاتی شدت پسندانہ و جاہلانہ رسم و روش کا سدباب کیا جا سکے-

مشتعل ہجومی انصاف پسندوں کو یہ بھی یاد رہے کہ ہر قسم کے ارتداد کی سزا مختلف ہے-

آخر میں عوام کا اپنی عدالت خود لگانے (ہجومی انصاف) کے حوالے سے واقعہ نقل کرتا ہوں جو خود مدعی، خود گواہ اور خود ہی منصف ہوتے ہیں:

”تین دوست سفر کو نکلے- راستے میں انہیں سونے کی تین اینٹیں ملیں- ان میں سے ایک دوست نے کہا کہ سونے کی بڑی اینٹ میری ہے- باقی رونے وجہ پوچھی کہ بڑی اینٹ کیسے آپ کی ہو گئی؟ تو کہا کیونکہ میں قافلہ کا امیر ہوں- پھر پوچھا گیا کہ آپ کو امیر کس نے بنایا؟ کہا کیونکہ بڑی اینٹ میرے پاس ہے“-

شاعر نے کیا خوب کہا تھا:

اسی کا شہر وہی مدعی وہی منصف
ہمیں یقیں تھا ہمارا قصور نکلے گا

☆☆☆

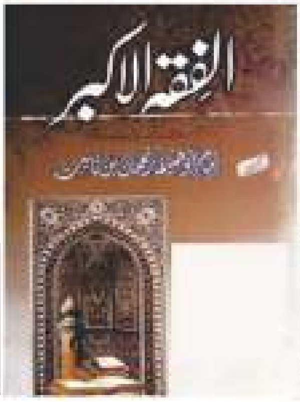

کتاب الفقہ الاکبر کے اِستنادی تناظر میں

امام ابو حنیفہ کا سوانحی خاکہ

پروفیسر شفقت حسین خادم

حضرت امام اعظم، النعمان بن ثابت، بہت بڑے عالم دین، بانی فقہ حنفی، حدود 80ھ / 699ء میں پیدا ہوئے اور رجب 150ھ / اگست 767ء میں بحالتِ اسیری بغداد میں فوت ہوئے اور وہیں خیزران کے مقبرے کے مشرقی جانب اُن کا مزار ہے، جس محلّے میں یہ مقبرہ واقع ہے، وہ اب بھی اعظمیہ کہلاتا ہے، ان کے دادا، جن کا اسلامی نام غالباً نعمان تھا، کابل کے رہنے والے تھے۔

امام اعظم کے علم کی طرح ان کی ذہانت اور طباعی بھی ضربُ المثل تھی، انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے 40 نامور شخص انتخاب کیے اور اُن کی ایک مجلس بنائی، الطحاوی نے ان میں سے تیرہ کے نام دیے ہیں، جن میں امام ابو یوسف اور امام زفر نمایاں شخصیتیں ہیں، اس طرح فقہ کا گویا ایک ادارہ علمی تشکیل پذیر ہو گیا، آپ کے شاگردوں کی چند کتابیں، خصوصاً ابو یوسف کی اختلاف ابی حنیفہ و ابی لیلیٰ اور الرد علیٰ سیر الاوزاعی، الشیبانی کی الحج اور مؤطا امام مالک کا نسخہ، امام ابو حنیفہ کے مسلک کے اہم مآخذ ہیں۔[1]

آپ کی تابعیت کے بارے تمام راوی نقل کرتے ہیں کہ:

"آپ کو بعض معمّر صحابہ سے ملنے کا فخر حاصل ہو چکا تھا جو پہلی صدی کے اواخر یا اس کے قریب قریب تک زندہ رہے یا جو پہلی صدی کے آخری عشرے تک بقیدِ حیات رہے، انہوں نے ایسے صحابہ کے نام ذکر کیے ہیں جن کی زیارت کا شرف آپ کو حاصل ہوا تھا مثلاً انس بن مالک (م:93ھ) عبد اللہ بن ابی روفی (م:87ھ) واثل بن اسود (م:85ھ) ابو الطفیل عامر بن واثلہ (م:102ھ) جو سب صحابہ کے بعد مکّہ میں فوت ہوئے"۔[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) براہِ راست حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تفقّہ کرتے رہے اور پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ تعریفی سند حاصل فرمائی کہ جسے قرآن سیکھنا ہو وہ عبد اللہ بن مسعود سے سیکھے۔ ان کی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنی خلافت کے زمانے میں ان کو کوفے میں معلّم بنا کر بھیجا اور یہ وہاں کی جامع مسجد میں فقہ کا درس دیتے رہے، اُن کے شاگردوں میں یمن ہی کے دو فاضل، علقمہ (م:62ھ) اور اسود نخعی (م:75ھ) نے امتیاز حاصل کیا اور کوفے میں حضرت ابنِ مسعود (رضی اللہ عنہ) کے جانشین بنے، علقمہ کے شاگردوں میں ابراہیم نخعی، ایک اور یمنی نے مسجدِ کوفہ میں درسِ فقہ کا سلسلہ جاری رکھا اور جب ابراہیم نخعی کی وفات ہو گئی تو حمّاد بن ابی سلیمان نے، جو غالباً ایرانی تھے، کوفے کی درس گاہِ فقہ کو مزید شہرت عطا کی۔ ابو حنیفہ ان ہی حمّاد کے شاگرد اور جانشین ہیں"۔[3]

---

[1] ملاحظہ ہو مقالہ 'ابو حنیفہ' دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، جلد اوّل، صفحات 783-786، طبع اوّل 1384ھ / 1964ء

The Encyclopedia of Islam , Vol : 1 New Edition Leiden E. J. Brill , 1986pages 123-124 by J. Schacht

امام اعظم کی چالیس رکنی کابینہ کے اسماء اور ان کی سوانح کیلئے ملاحظہ ہو، امام ابو حنیفہ کی مجلس تدوین فقہ از ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی، علمی مرکز، سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی، ص133-175

[2] حیات حضرت امام ابو حنیفہ، تالیف شیخ محمد ابو زہرہ قاہرہ، مصر ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری، ملک سنز فیصل آباد، بار سوم 1983، صفحات 120-121-

[3] امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، طبع ششم 1403ھ / 1993، صفحہ 26-

علم حدیث سے متعلق بھی ایک اہم بحث، امام اعظمؒ سے متعلق ہے یعنی وہ تاریخ ابنِ خلدون میں لکھا ہے:

"امام ابو حنیفہ سے سترہ حدیثیں مروی ہوئی ہیں اور اس قول کو کئی کوتاہ چشموں نے ہوا دی اور دعوے داغنے شروع کئے کہ ابو حنیفہ کو کل سترہ حدیثیں پہنچی تھیں-17 حدیثیں امام ابو حنیفہ کو پہنچنا سراسر خلاف نقل ہے، کیونکہ اگر 15 مسانید سے قطع نظر کیا جائے اور صرف دیگر تصانیف تلامذہ امام دیکھی جائیں جن میں بذریعہ امام، بسندِ مسلسل، اخبار و آثار مروی ہیں، مثلاً امام محمد کی مؤطا و کتاب الآثار، کتاب الحج و کتاب السیر کبیر اور امام ابو یوسف کی کتاب الخراج و امالی وغیرہ، تو بھی صد ہا روایات امام کی نکلیں گی، علاوہ ان کے مصنف ابنِ ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق و تصانیف دار قطنی، تصانیفِ حاکم، تصانیف بیہقی اور تصانیفِ طحاوی، مثلاً شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار وغیرہ کو دیکھو کہ ان میں کس قدر امام ابو حنیفہ کے ذریعے سے بسند متصل روایات موجود ہیں"۔[4]

امام اعظم 120ھ میں جامع کوفہ کی اس مشہور علمی درس گاہ میں جلوہ افروز ہوئے جو حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے زمانے سے باقاعدہ چلی آرہی تھی، تو آپؒ نے جہاں فقہ کا عظیم الشان فن اجتماعی محنت سے مدوّن کیا وہیں فقہ کے ابواب پر مشتمل حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی، صحیح اور معمول بہ روایت سے انتخاب فرما کر مرتب کیا اور اس کو اپنے تلامذہ کے سامنے لیکچرز کی صورت میں پیش کیا، اسی کا نام کتاب الآثار ہے اور آج امتِ اسلامیہ کے علمی سرمایہ میں احادیثِ صحیحہ کی سب سے قدیم کتاب یہی ہے جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے، امام اعظم سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے مجموعے اور صحیفے تھے ان کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے "کیفما اتفق" حدیثوں کے مجموعے تیار کیے تھے، گویا جس کام کی ابتداء بقول حافظ ابن حجر عسقلانی، امام شعبی نے کی تھی اسی کو امام اعظم نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل فرمایا اور بعد کے آنے والوں کے لئے ترتیب و تبویب کی شاہراہ قائم کر دی-

کتاب الآثار اس دور کی تمام تصانیف سے پہلے کی تصنیف ہے، اس دور کے تمام مصنفین، ابنِ جریج کو چھوڑ کر، امام اعظم کے بعد ہیں-سب اگرچہ قرنِ ثانی کی پیداوار اور معاصر ہیں مگر امام اعظم سے کسی نہ کسی طرح متاثر ہیں اور صرف متاثر نہیں بلکہ امام اعظم کی جلالتِ علمی کے قدر دان ہیں-

کتاب الآثار کا طریق تالیف، تعلیم کتب اور تعلیم روایات کا نہیں بلکہ تعلیم علوم و فنون کا ہے، یعنی بذریعہ درس و املاء، شیوخ سے علم حاصل کرنا، تمام علوم اور مہمات فنون عربیہ کے لئے صدرِ اول میں یہی طریق رائج تھا، آغاز میں اس طرزِ تالیف کی بنیادیں پڑیں کہ تلامذہ اپنے حفظ و یادداشت کیلئے اساتذہ کے تمام امالی یا ان کا خلاصہ لکھ لیا کرتے تھے لیکن آگے چل کر یہ چیز اس قدر مقبول ہوئی کہ اقسام تصنیف میں ایک خاص قسم بن گئی اور خود اساتذہ اور علماء فن اپنی مرویات بطور تصنیف مرتب کرنے لگے، اس طرح کہ حلقہ درس میں مطالب و مسائل املا کراتے اور ساتھ ساتھ خود بھی لکھتے جاتے یا پہلے مجموعہ مرتب کر لیتے اور پھر اسی کو املا کراتے، حدیث میں یہ طریق تمام علوم سے زیادہ رائج اور مقبول ہوا اور محدثین کے یہاں اسے ایک خصوصی مقام حاصل ہو گیا، چنانچہ محدثین نے سماع من لفظ الشیخ دو مختلف صورتوں میں سے ایک قسم املا کو قرار دیا ہے اور یہ محدثین کی بیان کردہ ان تمام قسموں میں سے، جو تحمل روایت کیلئے مشہور ہیں ایک اور اعلیٰ قسم ہے-[5]

صدر الائمہ موفق بن احمد مکی (م:568ھ) نقل کرتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار (40000) احادیث سے کیا ہے"-

کتاب الآثار کو امام اعظم سے آپ کے متعدد تلامذہ نے روایت کیا ہے، جس کی وجہ سے اس کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں، ان میں ہر ایک نسخہ اس کے راوی کی طرف منسوب ہو گیا ہے، کتاب الآثار کے ویسے تو کئی نسخے ہیں لیکن ان میں سے چار

[4] حدائق الحنفیہ از مولوی فقیر محمد جہلمی، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور، صفحات 38-64

[5] امام اعظم اور علم حدیث، مؤلفہ مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی، انجمن دار العلوم الشہابیہ، سیالکوٹ، اپریل 1981، صفحات 347-348

زیادہ مشہور ہیں: (1) نسخہ امام زُفر بن ہذیل (م:158ھ)، (2) نسخہ امام ابو یوسف (م:182ھ)، (3) نسخہ امام محمد بن حسن الشیبانی (م:189ھ)، (4) نسخہ حسن بن زیاد (م:204ھ)"۔[6]

کتاب الآثار امام ابو یوسف اور کتاب الآثار امام محمد بن حسن الشیبانی، مطبوعہ دستیاب ہیں۔[7]

فقہاء احناف کے ہاں بہت حال خبر واحد اور قیاس میں تعارض اور تطبیق، شیخین و صاحبین کے استشار کے ساتھ، ہر دور میں کسی نا کسی صورت میں موجود رہا ہے، محدثین کی اصطلاح میں خبر واحد / سنۃ الآحاد سے مراد ہر وہ روایت ہے جو متواتر نہ ہو، اس تعریف کی رو سے مشہور، مستفیض، عزیز اور غریب، سب ہی خبر واحد میں شمار کی جائیں گی، حنفیہ کے علاوہ باقی تمام فقہاء اور محدثین کی اس سلسلے میں یہی رائے ہے۔جہاں تک خبر واحد کی حجیت کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں تین نقطہ نظر معروف ہیں:

1- خبر واحد اگر شرائط صحت پر پورا اترے، تو وہ عقائد و احکام، دونوں میں حجت ہے، جمہور محدثین، ظاہریہ اور امام شافعی کا نقطہ نظر یہی بیان کیا جاتا ہے۔

2- خبر واحد اگر شرائط صحت پر پورا اترے تو وہ احکام میں تو حجت ہے مگر عقائد میں حجت نہیں، یہ نقطہ نظر حنفیہ سمیت جمہور اصولیوں اور فقہاء کی طرف منسوب ہے۔

3- خبر واحد نہ عقائد میں حجت ہے اور نہ ہی احکام میں، یہ نقطہ نظر بعض شیعہ اور معتزلہ وغیرہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

راوی فقہاء کے نزدیک خبر واحد کی قبولیت کیلئے ایک تو یہ ضروری ہے کہ اس کے راوی میں درج ذیل چار شرائط پائی جائیں: عقل، اسلام، عدالت اور ضبط۔علاوہ ازیں روایت میں انقطاع معنوی کی کوئی صورت نہ ہو یعنی خبر واحد معناً منقطع نہ ہو یعنی وہ دیگر ادلّہ / اصولوں سے متعارض نہ ہو۔خبر واحد قرآن وسنتِ معروفہ سے متعارض نہ ہو، دیگر آئمہ میں سے امام مالک کے حوالے سے بعض محققین کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بھی یہ دو اصول استعمال کیے ہیں، جبکہ بعض آئمہ، خاص طور پر امام شافعی نے ان اصولوں کے استعمال پر کافی نقد کیا ہے اور انہیں غلط قرار دیا ہے مبادا کہ لوگ روایات کو خلافِ قرآن قرار دے کر رد کرنے لگیں۔امام شافعی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جب خبر واحد ثقہ راویوں ثقہ عن ثقہ کی سند سے ثابت ہو جائے تو پھر وہ اپنی ذات میں خود ایک اصول ہے اور اسے خلافِ قرآن یا خلافِ سنتِ مشہورہ ثابت کر کے رد کرنے کے بجائے تطبیق کی راہ نکالنی چاہیے۔چنانچہ آپ کے دلائل سے متاثر ہو کر بعد کے تقریباً سبھی محدثین نے اس سلسلے میں عراقیوں / حنفیوں کے بجائے آپ کی پیروی کی ہے، اسی طرح احناف کے ہاں اصول ہے کہ خبر واحد ایسی نہ ہو جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو، فقہاء حنفیہ کے علاوہ مالکیہ نے بھی اس اصول کو استعمال کیا ہے جبکہ امام شافعی، جمہور محدثین اور امام ابن حزم نے اس اصول پر نقد کیا ہے۔

خبر واحد اور قیاس میں تعارض کی صورت میں احناف کے مابین بھی علمی اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً ایک رائے یہ ہے کہ قیاس سے متعارض روایت کا راوی اگر غیر فقیہ ہے تو اس کی روایت خبر واحد مردود ہے، اس نقطہ نظر کے قائلین میں عیسیٰ بن ابان، امام البزدوی اور امام سرخسی وغیرہ شامل ہیں۔دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ خبر واحد اور قیاس میں تعارض کی

---

[6] مسند ابی حنیفہ پر علمی بحث کیلئے مزید ملاحظہ کیجئے: ابو حنیفہ، حیاتہ و عصرہ۔ آراؤہ و فقہہ از الامام محمد ابو زہرہ، ملتزم الطبع والنشر، دار الفکر العربی، تعلیقات علی الکتب الثلاثۃ فی الحدیث للائمۃ الحنفیۃ کتاب الآثار۔مسانید الامام ابی حنیفہ۔موطا امام محمد، للعلامۃ المحدث عبد الرشید النعمانی، مطبوعہ مجمع الامام احمد بن عرفان الشہید، لاحیاء المعارف الاسلامیہ

[7] کتاب الآثار از ابی یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، اس میں 1068 آثار منقول ہیں، فہارس کے ساتھ یہ نسخہ 267 صفحات پر مشتمل ہے

صورت میں خبر واحد کو ہر صورت قیاس پر مقدم رکھا جائے گا، بشرطیکہ خبر واحد دیگر شرائط صحت پر پورا اترتی ہو۔ امام ابو الحسن کرخی، امام کاسانی، ابن ہمام اور محب اللہ بہاری اس نقطہ نظر کے حامی ہیں۔ معاصر محققین خبر واحد کو ترجیح دینے کے حامی ہیں، ابو زہرہ مصری، وھبہ الزحیلی وغیرہ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ امام محمد بھی خبر واحد کو ترجیح دینے کے اصول پر عمل کرتے تھے، جو اُن کی کُتب سے ثابت ہے، یہی صورت حال امام ابو یوسف کی کُتب سے بھی ثابت کی گئی ہے۔[8]

علم حدیث میں ہی، اکابر احناف سے ماخوذ 'اخبار' پر علمی اہمیت کے حامل ذخیرہ بلکہ خزینہ کو شاید کُوزے ہی میں امام الصُّیمری نے جمع و ترتیب دیا ہے۔[9]

فقہی اعتبار سے بعض اکابرین 'حیل شرعی' شرعی حیلوں کو جائز نہیں سمجھتے۔ امام ابو حنیفہ نے فقہ میں حیلے کو دلائل سے جائز قرار دیا ہے۔[10]

مستشرقین نے بھی علمی سطح پر فقہ حنفی اور اس کے مصادر و معاملات پر علمیت کا مظاہرہ بھی کیا ہے اور خامہ فرسائی بھی، جوزف شاخت (Joseph Schacht) اور نویل جے کولسن (Noel J.Coulson) نے فقہ میں اور ابراہم یودوفتش (Abraham Udovitch) نے فقہ حنفی میں مضاربت پر علمی بحث کا آغاز کیا اور اس ضمن میں حنفی فقہ کو قدیم اطالوی طرز تجارت (Comenda) کا چربہ قرار دیا، نیز مزید درجنوں کُتب میں ضمنی طور پر فقہ حنفی پر مختلف پہلوؤں سے گفتگو کی جاتی رہی ہے۔[11]

اکابر اولیاء کرام صوفیاء جو امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں گنے جاتے ہیں، مثلاً سیّدنا ابراہیم بن ادہم، سیّدنا شفیق بلخی، سیّدنا معروف کرخی، سیّدنا فضیل بن عیاض، سیّدنا عبداللہ بن مبارک، سیّدنا داؤد طائی، سیّدنا خلف بن ایوب، سیّدنا بایزید بسطامی (رحمۃ اللہ علیہم) اور آپ کی تقلید کرنے والے اولیاء کرام صوفیاء میں سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز اجمیری، خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، خواجہ فرید الدّین گنج شکر، خواجہ بہاؤ الدّین نقشبند بخاری، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور سُلطان العارفین سُلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہم) شامل ہیں۔[12]

حضرت شفیق بلخی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ:

"میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کے لیے جا رہا تھا، ایک آدمی نے دور سے انہیں دیکھا تو چھپنے لگا اور راستہ بدلنے لگا، امام صاحب نے دور سے اسے پکارا، راستہ مت بدلو، اسی راستے پر آؤ، جب اس شخص نے اندازہ کر لیا کہ ابو حنیفہ اسے دیکھ چکے ہیں تو وہ شرمندہ ہو کر ٹھہر گیا، امام صاحب نے اس سے پوچھا کہ تم راستہ کیوں بدل رہے تھے؟ اس نے کہا کہ آپ کی مجھ پر اتنی رقم ہے، مدت لمبی ہو چکی ہے اور میں اب تک اس کی ادائیگی نہیں کر سکا ہوں، تو آپ کو دیکھ کر میں شرما گیا، امام صاحب نے فرمایا، سبحان اللہ، معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ تم مجھے دیکھ کر چھپتے پھر رہے ہو؟ میں وہ قرض معاف کرتا ہوں اس کے بعد مجھ سے نہ چھپنا اور اس عرصے میں مجھ سے تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے وہ تم مجھے معاف کر دینا، شفیق بلخی فرماتے ہیں کہ

---

[8] احادیث احکام اور فقہاء عراق از مبشر حسین، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2015ء

[9] اخبار ابی حنیفہ، اصحابہ للامام المحدث المؤرخ الکبیر الفقیہ القاضی ابی عبد اللہ حسین بن علی الصیمری المتوفی 436ھ بمطبعۃ المعارف الشرقیہ، حیدر آباد، الہند۔

[10] مقامات امام اعظم از حافظ الدین کردری (م:827ھ) صاحب فتاوی بزازیہ، اردو ترجمہ محمد فیض احمد اویسی، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، صفحات 289-290

[11] An Introduction to Islamic Law by Joseph Schacht, Clarendon Press, Oxford, 1982 Chapter 9 Pages 57-68
A History Of Islamic Law by N. J. Coulson, Edinburg at the University Press, 1978, Part Two Pages 75-148
Partnership and Profit in Medival Islam by Abraham Udovitch, Princeton University Press, 1970, Pages 294

[12] امام الائمہ فی الحدیث والفقہ، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ از چوہدری محمد اسحاق خان نقشبندی قادری، بزم صوفیاء، لاہور، ستمبر 2008ء

اس واقعہ سے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اصل زاہد ابو حنیفہ ہیں—اور کیا کمال بات!!! ادب کا یہ عالم کہ خود فرمایا کہ

اپنے استاذ حماد بن ابی سلیمان کی عظمت کی وجہ سے میں نے کبھی ان کے گھر کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے، حالانکہ میرے اور ان کے گھر کے درمیان سات گلیوں کا فاصلہ ہے"۔[13]

امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کی سیرت و سوانح پر کسی بھی پہلو سے علمی کام کیا جائے، اس کیلئے ہمارے پاس ابتدائی سرمایہ علمی میں امام موفق بن احمد المکی (رحمۃ اللہ علیہ) کی کتاب مناقب ابی حنیفہ ہی ہوتی ہے اور کوئی محقق اس کتاب سے مستغنی ہو کر امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) پر علمی کام بہر حال نہیں کر سکتا۔[14]

کتاب 'الفقہ الاکبر' تالیف امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ):

ابن الندیم نے اپنی مشہور کتاب الفہرست میں امام اعظم سے منسوب چار کتابوں کے نام لکھے ہیں: الفقہ الاکبر، عثمان البتی کے نام ایک خط، العالم والمتعلم، الرد علی القدریہ، مسند جو خوارزمی (م:665ھ) نے مرتب کی ہے، اس کا ذکر الفہرست میں نہیں ہے۔

'تاریخ' میں ابن خلکان کہتے ہیں کہ:

"امام صاحب کی تین کتابیں تصنیف ہیں، باقی زبانی منقول ہیں، ایک کتاب العالم والمتعلم، دوسری کتاب الرسالہ، کہ ابو عثمان البتی کو پہنچی تھی، تیسرے فقہ اکبر، کہ آپ کے شاگرد، ابو مطیع نے روایت کی ہے"۔[15]

الفقہ الاکبر محررہ رسالہ نہیں ہے بلکہ اقسام کتب میں اس کا شمار "امالی" املا کرائی گئی، میں ہوتا ہے—اسی لئے اس کے متعدد نسخے متداول و معروف ہیں جن میں اہم تر حماد بن ابو حنیفہ کا مروی نسخہ ہے۔

ہمارے اصحاب علم و فن بالخصوص متکلّمین نے الفقہ الاکبر پر علمی کام بھی کیا ہے، نقد کے ساتھ ساتھ سراہا بھی ہے، مقالے کے اس حصے میں ہم ان کتب کا ایک اجمالی جائزہ لیں گے جو الفقہ الاکبر سے متعلق لکھی گئی ہیں اور جن تک ہماری محدود رسائی ممکن ہو سکی ہے۔

"الفقہ الاکبر" ایک مختصر رسالہ ہے جو علم الکلام کے چند بنیادی مسائل، بالخصوص توحید، ذاتی و صفاتی ربوبیت و خالقیت یعنی انسان جو علم محسوسات کو جاننے میں استعمال کرتا ہے وہ حواسِ خمسہ کا عقلی پیرایہ اظہار ہوتا ہے، خواہ وہ سامعہ ہو، باصرہ، لامسہ، شامہ یا ذائقہ ہو، یہ خمسہ ہیں، اسی طرح غیر محسوس علم کی تلاش، باطنی حواس خمسہ کی صورت گری میں پنہاں ہیں، یہ پانچ لطائف شمار ہوتے ہیں، یہ لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفی سے متعارف ہیں—توحید میں اللہ کی ذاتی صفات مثلاً الحیاۃ، القدرۃ، الکلام، السمع، البصیر، الارادۃ وغیرہ اور صفاتِ فعلیہ، یعنی التخلیق، الترزیق، الانشاء، الابداع اور الصنع وغیرہ— حقیقی معنوں میں فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور فعل اللہ کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے اور تمام مفعول، اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق اور اس کے امور کا ظہور ہیں—جبکہ اللہ تعالیٰ کے افعال، غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں۔

اب ہم کچھ کتب کا ایک اجمالی جائزہ لیں گے تاکہ کتاب الفقہ الاکبر کے ضمن میں ہونے والی علمی کاوشیں ہمارے سامنے واضح ہو سکیں۔

1- کتاب "الفقہ الاکبر للامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی و شرحہ ملا علی القاری الحنفی (م:1001ھ) طبع بمطبعۃ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ مصطفی البابی الحلبی واخویہ، بکری و عیسیٰ بمصر، (1326ھ) کتاب کے کل صفحات 183 ہیں، صفحات 184-188 الفقہ الاکبر کا متن دیا گیا ہے۔

2- منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر، المحدث الفقیہ علی بن سلطان محمد القاری و معہ التعلیق المیسر علی شرح الفقہ الاکبر تالیف الشیخ وہبی سلیمان غاوجی، دار البشائر الاسلامیہ

[13] ملفوظات امام ابو حنیفہ از مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی، مکتبہ دار العلوم، کراچی، طبع جدید شوال 1427ھ صفحات 15-17

[14] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق بن احمد المکی (م:568ھ)، دار الکتاب العربی، بیروت–لبنان، 1401ھ / 1981ء، کتاب ہذا کی جلد اول 521 صفحات اور دوم 531 صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب کا اردو ترجمہ، مناقب امام اعظم، ترجمہ مولانا فیض احمد اویسی، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور، 1999ء / 1420ھ،

[15] فقہ اکبر و وصیت نامہ از مولانا مفتی محمد سعد اللہ، بہ مطبع محمدی، محمد حسین نے چھاپا، شعبان 1269ھ

3- الدرر الازھر فی شرح الفقہ الاکبر از مولانا محمد عبد القادر، رئیس سلہٹ، در مطبع نظامی واقع کانپور، مطبوع کردید 1928، صفحات 64 ہیں شارح ابو محمد عبد القادر نے جمادی الآخر 1273ھ عربی میں لکھی ہے۔

4- الاقول الفصل شرح الفقہ الاکبر للامام ابی حنیفہ، شرحہ، محی الدّین محمد بن بہاء الدین (م:956ھ) مکتبہ الحقیقہ، استنبول

5- 'الاقول الاظہر شرح الفقہ الاکبر' شارح مولانا محمد شفیق خان، عطاری، مدنی، فتحپوری، مکتبہ السنۃ، آگرہ، یوپی، الہند۔

6- الفقہ الاکبر تالیف امام اعظم مع اردو ترجمہ "البیان الازھر" از صوفی عبد الحمید سواتی، ادارہ نشر و اشاعت گوجرانوالہ

7- فقہ اکبر مع ترجمہ مہر انور و وصایہ مع ترجمہ مسمّٰی بہ ہدایہ، از مولوی وکیل احمد سکندر پوری، بمطبع مجتبائی دہلی۔

8- 'فقہ الاکبر' تالیف امام ابو حنیفہ، ترجمہ مولانا مبشر احمد مدنی، ادارہ اشاعت اسلام، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، 20 صفحات پر مشتمل ایک مختصر لیکن جامع کتابچہ ہے۔

9- 'شرح الفقہ الاکبر' للامام الاعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) از مولانا محمد الیاس گھمن، سرگودھا، بار اول 2021ء۔

10- کتاب 'فقہ اکبر' پر ہونے والے اعتراضات و جوابات اور مستند ترین نسخہ کی تحقیق و تدقیق ترجمہ مفتی حماد رضا نوری برکاتی، زاویہ پبلیشرز، دربار مارکیٹ لاہور

11- 'فقہ اکبر و ابسط' مؤلفہ امام اعظم راوی حماد بن ابو حنیفہ، تحقیق و ترجمہ رشید احمد علوی، جمیعہ پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور

12- 'الفقہ الاکبر' تالیف امام ابو حنیفہ، مترجم و شارح ڈاکٹر عبد الرحیم اشرف بلوچ، پروگریسیو بکس، لاہور

13- شرح فقہ الاکبر' المتن منسوب الیٰ الامام ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی شرحہ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الحنفی السمرقندی (م:333ھ) طبع علی نفقۃ الشئون الدینیۃ، بدولۃ، قطر، سن ندارد یہ نسخہ مطبعہ مجلس دائرہ معارف النظامیہ، حیدر آباد، دکن، ذی الحج 1321ھ سے مستعار ہے، یہ کتاب 431 صفحات پر مشتمل ہے، پھر فہارس ہے جو صفحہ 440 پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں فقہ اکبر کا اصل متن محض آٹھ صفحات پر ہے۔

14- 'الرسائل السبعۃ فی العقائد' دار البصائر، القاہرہ، مصر۔ اس کتاب میں عقائد پر سات رسائل جمع کئے گئے ہیں۔ پہلا: رسالہ ابی منصور الماتریدی کی شرح کے ساتھ 'شرح الفقہ الاکبر' ہے۔ دوسرا: رسالہ 'کتاب شرح الفقہ الاکبر'، جو شیخ احمد بن محمد المغنیساوی الحنفی کی شرح کے ساتھ ہے۔ تیسرا رسالہ 'کتاب الجوہرۃ المنیفۃ فی شرح وصیۃ الامام الاعظم ابی حنیفہ' جو مُلا حسین ابن اسکندر الحنفی، کی علمی کاوش ہے۔ مزید رسائل میں ابو الحسن علی اشعری کی کتاب 'الابانہ' کے دو ملحقات، امام اشعری کا ہی ایک 'رسالہ فی الذب' اور ابن قدامہ کا 'ذم التاویل'۔

15- 'شرح فقہ اکبر' موسوم بہ تعلیم الایمان، از مولوی نجم الغنی خان رامپوری، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی، سن ندارد۔

16- The Muslim Creed, by A. J. Wensinck Professor of Arabic in the University of Leiden Cambridge at the University Press 1932.

اس کتاب کا Chapter IV جس کا ٹائٹل The Fikh Akbar I ہے، صفحہ 102 سے 124 تک ہے، اس ہی کتاب کے Chapter VII کا عنوان: The Wasiyat of Abi Hanifa ہے، یہ صفحہ 123 سے 187 تک پھیلا ہوا ہے، اگلا Chapter VIII جس کا آغاز The Fikh Akbar II ہے، یہ صفحہ 188 سے 246 تک پھیلا ہوا ہے عقیدہ طحاویہ، وصیہ ابو حنیفہ اور فقہ اکبر کے متن کو باہم موازنہ کرنے اور یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔

17-IMAGE ABU HANIFA'S Al- Fiqh Al-Akbar, Explained by Abul Muntaha Al- Maghnisawi, With Selections from Ali Al-Qari's Commentary, including Abu Hanifa's Kitab al-Wasiyys, by Abdur- Rehman Yusuf, White Thread Press, London January 2014 First Edition was in 2007

یہ اصل کتاب 220 صفحات پر مشتمل ہے، پھر Bibliography اور آخر میں Index ہے، جس کے ساتھ کتاب صفحہ 240 پر ختم ہوتی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے مختصر سوانحی خاکہ کے پس منظر میں آپ کی نسبت سے کتاب الفقہ الاکبر پر ہونے والی علمی کاوشوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے، نئے محققین کیلئے اس میں متعدد زاویہ ہائے تحقیق موجود ہیں۔

☆☆☆

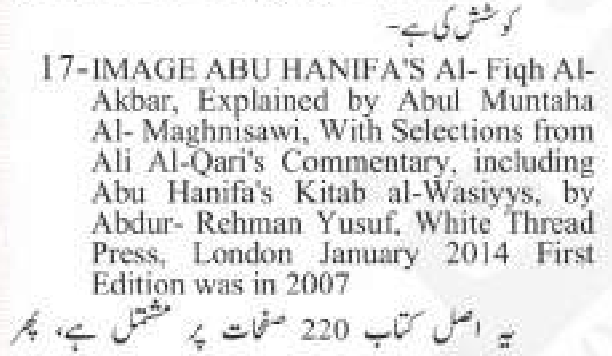

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا منہج استدلال اور حدیث مبارکہ

مفتی محمد صدیق خان قادری

یہ بات ہر صاحب عقل اور دیندار مسلمان کو معلوم ہے کہ دین کے اُصول و فروع اور عقائد و اعمال سب کی بنیاد قرآن و حدیث ہے اجماع امت اور قیاس کی بنیاد بھی قرآن و حدیث پر ہے جس طرح قرآن کے احکام پر ایمان لانا اور ان پر عمل پیرا ہونا لازم ہے اسی طرح حدیث کے احکام پر ایمان لانا اور اُن پر عمل پیرا ہونا بھی لازم و ضروری ہے۔ احادیث کے انکار کے بعد قرآن پر ایمان کا دعوی محض دعوی بلا دلیل ہو گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے محبوب کی اطاعت و اتباع کرنے کا بھی حکم فرمایا۔ حتی کہ ارشاد فرمایا کہ:

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ[1]

"جس نے رسول پاک کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ حدیث و سنت کی روایت اور حفاظت و ترویج محدثین کے حصے میں آئی اور درایت و تفقہ کا شرف فقہاء کرام کو نصیب ہوا یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی استعداد و صلاحیت اور ذہن و فہم کا دائرہ کبھی ایک نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ انسانی آراء و افکار کا فرق و امتیاز ہمیشہ سے قائم ہے اور یہی فرق احادیث و آثار کی تفہیم اور ان میں اجتہاد کی صورت میں بھی نظر آتا ہے۔ بے شمار فقہائے کرام نے اپنے اپنے اجتہادات و استدلالات کے اصول وضع کیے اور اُن کے مطابق مسائل و احکام کا استنباط کیا ان فقہاء کرام میں امام ابو حنیفہ ایک نامور شخصیت ہیں جو فقہ حنفی کے بانی بھی ہیں تو انہوں نے بھی استدلالات و اجتہادات کے اُصول و قواعد وضع کیے جس کے مطابق فقہائے احناف مسائل کا استنباط کرتے رہے۔

ہم زیر نظر مضمون میں امام اعظم ابو حنیفہ کے احادیث میں منہج استدلال کو اُن کی آراء و قضایا کی روشنی میں مختصر بیان کرنے کی کوشش کریں گے کہ اُن کے ہاں حدیث سے استدلال و اجتہاد کا کیا درجہ ہے کیونکہ بعض کم علم حلقوں میں بڑا عجیب و غریب یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ امام اعظم احادیث و سنت پر اپنی رائے اور قیاس کو مقدم رکھتے تھے اور حدیث کو چھوڑ دیتے تھے۔ اگر تحقیقی طور پر اور حقیقت پسندانہ نگاہ سے اس تاثر کا جائزہ لیا جائے تو نہ صرف یہ تاثر غلط اور بے جا ہے۔ بلکہ امام صاحب نے اس تاثر اور تہمت کی نفی بھی فرمائی ہے۔

ملا علی قاری شرح مسند ابی حنیفہ کے مقدمہ میں امام اعظم کا قول نقل فرماتے ہیں:

کذب واللہ وافتری علینا من یقول اننا نقدم القیاس علی النص وھل یحتاج بعد النص الی القیاس[2]

"اللہ کی قسم وہ بندہ جھوٹا ہے اور اُس نے ہم پر افترا باندھا جو یہ کہے کہ ہم قیاس کو نص (حدیث) پر مقدم کرتے ہیں کیا نص (حدیث) کے بعد بھی کسی قیاس کی ضرورت رہ جاتی ہے"۔

علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری امام نعیم بن عمر کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ:

[1] (النساء:80)

[2] (شرح مسند ابی حنیفہ از ملا علی قاری، ج:1، ص:4)

"انہوں نے فرمایا کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا، آپ نے فرمایا"

"عجبا للناس يقولون انى افتى بالرأى وما افتى الا بالاثر"[3]

"ان لوگوں پر تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں بلکہ میں تو اثر (حدیث) سے ہی فتویٰ دیتا ہوں"۔

مقام غور ہے کہ آپ نے کتنے واضح الفاظ میں اس تاثر اور تہمت کی نفی کی ہے۔ آپ نے اس تاثر کے پھیلانے والوں کی نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ ان پر اظہار افسوس بھی کیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ امام اعظم، اللہ کے دین میں اپنی رائے سے بات کرنے سے منع فرماتے تھے اور لوگوں کو اتباع سنت کو لازم کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

علامہ محمد جمال الدین القاسمی فرماتے ہیں:

"كان الامام ابو حنيفة يقول اياكم والقول فى دين الله تعالى بالرأى وعليكم باتباع السنة فمن خرج عنها ضل"[4]

"امام ابو حنیفہ فرماتے تھے کہ اے لوگو تم اللہ کے دین میں اپنی رائے سے بات کرنے سے بچو اور تم پر اتباع سنت لازم ہے جو اس حد سے نکلا وہ گمراہ ہو گیا"۔

یہی وجہ ہے کہ ایک مقام پر آپ نے کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کی اتباع کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

"کسی ایک کیلئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول سے نص پائے جانے اور اجماع امت کے پائے جانے کے وقت اپنی رائے سے کوئی بات کہے اور جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو اور اس میں ان کے مختلف اقوال ہوں تو ان اقوال میں سے جو قول کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہوتا ہے ہم اس کو اختیار کر لیتے ہیں"۔[5]

اسی طرح آپ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"ماجاء عن الله ورسوله لا نتجاوز عنه وما اختلف فيه الصحابة اخترناه وما جاء عن غيرهم اخذنا وتركنا"[6]

"جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئے ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے اور جس میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو تو جس کا قول ہمیں قریب آئے ہم اس کو اختیار کر لیتے ہیں"۔

اگر صحابہ کرام کے علاوہ کسی کا قول آئے تو کبھی کسی قول کو لے بھی لیتے ہیں اور کسی قول کو کسی وجہ سے چھوڑ بھی دیتے ہیں۔

آپ کی اتباع سنت اور اعلیٰ ظرفی اور وسعت قلبی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ سے سوال کیا گیا ہے کہ اگر آپ کا قول کتاب اللہ، خبر رسول اور قول صحابہ کے بالفرض مخالف آجائے تو پھر ہم کیا کریں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت میرے قول کو ترک کر دو ان کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی عقد الجید فی احکام الاجتہاد میں نقل فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ سے سوال کیا گیا جب آپ کے قول کے مخالف کتاب اللہ آجائے تو پھر؟ فرمایا کہ کتاب اللہ کے مقابلے میں میرے قول کو چھوڑ دو پھر کہا گیا کہ جب خبر رسول اس کے مخالف آجائے تو فرمایا کہ خبر رسول کے مقابلے میں بھی میرے قول کو چھوڑ دو پھر کہا گیا کہ جب صحابہ کا قول آپ کے قول کے مخالف آجائے تو آپ نے فرمایا تو صحابہ کے قول کے مقابلے میں بھی میرے قول کو چھوڑ دو"۔[7]

جب ہم امام صاحب کے منہج استدلال پر غور کرتے ہیں تو یہ بات کہیں بھی نظر نہیں آتی کہ آپ حدیث پر اپنی رائے اور قیاس کو مقدم رکھتے ہوں یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر امام صاحب اپنے منہج استدلال کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں جس کو امام یحییٰ بن معین نے نقل فرمایا ہے:

---

[3] (کشف الاسرار شرح اصول بزدوی، ج:1، ص:16)
[4] (قواعد التحدیث، ج:1، ص:52)
[5] (جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، ج:2، ص:473)
[6] (ایضا)
[7] (عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، ج:1، ص:22)

"میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں جو بات کتاب اللہ سے معلوم نہ کرسکوں تو پھر سنت رسول کو لیتا ہوں پھر اگر میں کتاب اللہ اور سنت رسول سے کوئی چیز نہ پاسکوں تو پھر میں آپ کے صحابہ کے قول پر عمل کرتا ہوں اور اُن میں سے جس کے قول چاہوں لے لیتا ہوں اور جس کے قول کو چاہوں چھوڑ دیتا ہوں - البتہ صحابہ کے قول کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول کو اختیار نہیں کرتا جب معاملہ ابراہیم نخعی، امام شعبی، محمد بن سیرین، حسن بصری، عطاء اور سعید بن المسیب تک پہنچتا ہے تو یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے اجتہاد کیا تو میں اجتہاد سے کام لیتا ہوں جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا"-[8]

اگر امام صاحب کے اس فرمان پر غور کیا جائے تو ان کے طریقہ استدلال کی جو ترتیب ہے - وہ کچھ یوں ہے کہ پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول پھر صحابہ کرام کے اقوال - اگر ان تینوں میں سے کوئی بات معلوم نہ ہوسکے تو پھر امام ابو حنیفہ قیاس و اجتہاد کی طرف جاتے - ایسا نہیں ہے کہ حدیث اور قول صحابہ کو چھوڑ کر براہ راست قیاس و اجتہاد کی طرف چلے جاتے، کیونکہ اُن کے ہاں جو حدیث صحیح ثابت ہو جاتی اس پر عمل کرنا اُن کا مذہب تھا - علامہ ابن عابدین المعروف علامہ شامی فتاوی شامی میں امام اعظم کا قول نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اذا صح الحدیث فھو مذھبی"[9]

"جب حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو وہ میرا مذہب ہے"-

ابو حمزہ السکری فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا آپ نے فرمایا:

"اذا جاء الحدیث الصحیح الاسناد عن النبی علیہ السلام اخذنا بہ"[10]

"جب نبی پاک (ﷺ) سے صحیح الاسناد حدیث آ جائے تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں"-

امام بدر الدین زرکشی البحر المحیط میں فرماتے ہیں:

"وقد ثبت عن ابی حنیفة انہ قال ما جاء نا عن اللہ وعن الرسول فعلی الرأس والعین"[11]

"تحقیق یہ بات امام ابو حنیفہ سے ثابت ہے انہوں نے فرمایا کہ جو حکم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئے وہ ہمارے سر اور آنکھوں پر ہے"-

تو جب امام اعظم کتاب و سنت کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہوں اور حدیث صحیح اُن کا مذہب ہو اور وہ اُس پر عمل پیرا بھی ہوں تو پھر بھی یہ کہنے کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ امام صاحب خبر رسول پر اپنی رائے اور قیاس کو مقدم رکھتے تھے - لیکن اس کے باوجود پھر بھی حقیقت حال سے ناشناسی اور مخالفت و عداوت کی وجہ سے یہ تاثر اتنا پھیلایا گیا کہ وقت کے امراء اور اکابرین بھی اس کی لپیٹ میں آگئے اور امام صاحب کو ان کے سامنے اپنے اصولی موقف کی صفائیاں پیش کرنی پڑیں-

جیسا کہ خلیفہ ابو جعفر کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کو خط لکھا کہ مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں تو امام اعظم نے اُس کے جواب میں لکھا کہ:

"لیس الامر کما بلغک یا امیر المومنین انما اعمل اولا بکتاب اللہ ثم بسنة رسول اللہ (ﷺ) ثم باقضیة ابی بکر و عمر و عثمان و علی ثم باقضیة بقیة الصحابة ثم اقیس بعد ذلک اذا اختلفوا"[12]

"اے امیر المومنین، معاملہ ویسے نہیں ہے جیسے آپ کو اطلاع پہنچی ہے - میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں، پھر رسول اللہ (ﷺ) کی سنت پر، پھر ابو بکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کے فیصلوں پر، پھر باقی صحابہ کے فیصلوں پر اور پھر اس کے بعد اگر صحابہ کا اختلاف ہو تو قیاس سے کام لیتا ہوں"-

اسی طرح سادات میں سے امام محمد الباقر بن علی السجاد بن حسین (رضی اللہ عنہم) بن علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) جب امام

[8] (تاریخ ابن معین، ج:4، ص:63)

[9] (رد المحتار علی الدر المختار، ج:4، ص:63)

[10] (الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقہاء، ج:1، ص:144)

[11] (البحر المحیط فی اصول الفقہ، ج:6، ص:212)

[12] (المیزان الکبری، ج:1، ص:80)

اعظم کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی امام صاحب کو کہا کہ کیا آپ نے قیاس کی وجہ سے میرے جدِ امجد کے دین اور احادیث کو تبدیل کر دیا ہے تو امام ابو حنیفہ نے عرض کی کہ اے امام محمد بن علی (رضی اللہ عنہ) آپ کی حرمت و عزت میرے نزدیک اسی طرح ہے جس طرح آپ (ﷺ) کی حرمت و عزت صحابہ کے نزدیک تھی۔ آپ ذرا تشریف رکھیں میں آپ کو اصل صورت حال سے آگاہ کرتا ہوں تو امام اعظم نے عرض کی میں آپ سے تین سوال کرتا ہوں ان کے جواب دیجیے امام اعظم نے پہلا سوال کیا کہ کیا مرد زیادہ کمزور ہے یا عورت تو امام محمد بن علی نے فرمایا کہ عورت زیادہ کمزور ہے۔ تو امام ابو حنیفہ نے عرض کی کہ وراثت میں مرد کے کتنے حصے ہیں اور عورت کے کتنے۔ امام محمد بن علی نے جواباً کہا کہ مرد کے دو حصے ہیں اور عورت کا ایک حصہ امام ابو حنیفہ نے عرض کی یہ آپ کے نانا امجد کا فرمان ہے اگر میں نے آپ کے نانا امجد کے دین کو تبدیل کیا ہوتا تو پھر میں قیاس کے مطابق یہ کہتا کہ مرد کیلئے ایک حصہ اور عورت کیلئے دو حصے ہوں اس لیے کہ عورت مرد سے زیادہ کمزور ہے۔

پھر آپ نے دوسرا سوال کیا کہ کیا نماز افضل ہے یا روزہ تو انہوں نے جواب دیا کہ نماز افضل ہے تو عرض کی کہ یہ آپ کے جدِ امجد کا فرمان ہے اگر میں نے ان کے دین کو تبدیل کیا ہوتا تو جب عورت ایام مخصوصہ سے پاک ہوتی ہے تو میں قیاس کے مطابق اُس کو نماز قضا کرنے کا حکم دیتا نہ کہ روزے کی قضا کا۔

پھر آپ نے تیسرا سوال کیا کہ کیا بول زیادہ نجس ہے یا نطفہ تو انہوں نے جواب دیا کہ بول زیادہ نجس ہے۔ تو امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ اگر میں نے حضور اکرم (ﷺ) کے دین کو تبدیل کیا ہوتا۔ تو قیاس کے تقاضا کے مطابق بول کی وجہ سے غسل کرنے کا حکم دیتا اور نطفہ کی وجہ سے وضو کرنے کا حکم دیتا اس لیے کہ بول نطفہ سے زیادہ نجس ہے. لیکن معاذ اللہ میرے اندر یہ طاقت نہیں کہ میں قیاس کی وجہ سے آپ (ﷺ) کے دین کو تبدیل کر دوں تو جب امام ابو حنیفہ کا سنت پہ اتنا روشن مؤقف ملاحظہ فرمایا تو امام محمد بن علی اُٹھے اور امام ابو حنیفہ کو سینے سے لگایا۔[13]

امام صاحب نے جس طرح اپنے اقوال و آراء سے اپنے منہج استدلال کو واضح کیا ہے اسی طرح نامور آئمہ فن نے بھی اپنے ارشادات سے امام اعظم کے منہج استدلال کو بیان کیا ہے جس سے نہ صرف اُس تاثر کا ازالہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ بات اپنے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہ احادیث و اخبار کو اپنی رائے اور قیاس پر مقدم رکھتے تھے۔

امام ابو یوسف جن کا شمار امام صاحب کے اکابر اور اجل تلامذہ میں ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ کے سامنے جب مسئلہ پیش ہوتا تو آپ سوال کرتے کہ تمہارے پاس اس کے متعلق کوئی آثار وروایات ہیں۔ جب ہم روایات بیان کرتے اور وہ بھی ان روایات کو بیان کرتے جو اُن کے پاس ہوتیں۔ پھر غور و فکر ہوتا اگر ایک قول کی تائید میں زیادہ روایات ہوتیں تو اُس کو اختیار کر لیتے تھے اگر دونوں طرف کی روایات برابر ہوتیں تو کسی ایک قول کو اختیار کر لیتے تھے"۔[14]

شداد بن حکیم فرماتے ہیں کہ امام زُفر نے فرمایا:

"انما ناخذ بالرأی مالم یجی الاثر فاذا جاء الاثر ترکنا الرأی واخذنا بالاثر"[15]

"بے شک ہم رائے (قیاس) پر اس وقت عمل کرتے جب کوئی اثر نہ ملتا جب کوئی اثر مل جاتا تو ہم رائے کو چھوڑ دیتے تھے اور اثر پر عمل کرتے تھے"۔

تو امام زفر کے اس قول سے یہ بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ امام اعظم قیاس کی طرف اس وقت جاتے جب کسی مسئلہ کے حکم کے بارے کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا جب اثر مل جاتا تو پھر قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل پیرا ہوتے۔

امام فضیل بن عیاض امام صاحب کے طرز استدلال کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

[13] (مناقب ابی حنیفہ للمکی، ص:143)
[14] (ایضاً)
[15] (الفقیہ والمتفقہ، ج:1، ص:17)

"کان اذا وردت علیه مسألة فیها حدیث صحیح اتبعه و ان کان فیها قول عن الصحابة و التابعین اخذ به والا قاس فاحسن القیاس."

جب امام ابو حنیفہ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا اور اُس میں حدیث صحیح موجود ہوتی تو وہ اُس کی اتباع کرتے اگر اس مسئلہ کے بارے صحابہ اور تابعین کا قول موجود ہوتا .تو اس کو اختیار کر لیتے ورنہ قیاس سے کام لیتے اور عمدہ قیاس کرتے تھے"۔

علامہ احمد بن یونس کے والد فرماتے ہیں کہ:

"کان ابوحنیفة شدید الاتباع الاحادیث الصحاح."

"امام ابو حنیفہ احادیث صحیح کی بڑی سختی سے اتباع کرتے تھے"۔

جب کتب احناف کا مطالعہ کرتے ہیں تو مسائل میں جا بجا ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جہاں قیاس کا تقاضا تو کچھ اور ہوتا ہے لیکن وہاں امام اعظم نے اُس قیاس کو کسی حدیث و اثر یا صحابی کے فتویٰ اور قول کی وجہ سے ترک کیا ہوتا ہے۔ اس سے نہ صرف امام صاحب کے منہج استدلال کی عکاسی ہوتی ہے بلکہ قیاس پر حدیث کو ترجیح دینے کا تاثر مزید پختہ ہوتا ہے ہم یہاں چند عملی نمونے پیش کرتے ہیں جہاں امام صاحب نے حدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترک کیا ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی امام اعظم سے ایک مباحثہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اگر کوئی نماز میں ہنس پڑے تو اس کا کیا حکم ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"اگر ہنسنا قہقہہ کے بغیر ہو تو وہ اپنی نماز میں جاری رہے اگر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تو وضو اور نماز کا اعادہ کرے چاہے اُس نے بھول کر یا جان بوجھ کر قہقہہ مارا ہو۔ تو میں نے عرض کی کہ آپ کے ہاں ہنسنے کا حکم یہ کیوں ہے حالانکہ قیاس کے تقاضا کی رو سے ہنسنے اور کلام کرنے کا حکم ایک جیسا ہونا چاہیے۔ (یعنی جس طرح نماز میں کلام کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا صرف نماز ٹوٹتی ہے اسی طرح ہنسنے سے بھی وضو نہیں ٹوٹنا چاہیے)۔ تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ بات تو اسی طرح ہے لیکن میں نے ہنسنے کے معاملے میں اُس حدیث کو اختیار کیا ہے جو رسول اکرم (ﷺ) سے مروی ہے"۔

علامہ بدر الدین الزرکشی فرماتے ہیں کہ احناف ابو ہریرہ والی حدیث کہ جس نے بھول کر کھایا یا پیا اُس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگر چہ یہ قیاس کے مخالف ہے لیکن پھر بھی انہوں نے اس پر عمل کیا ہے حتیٰ کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا:

"اگر اس کے بارے روایت نہ ہوتی تو میں قیاس کے ساتھ روزے کی قضا کا حکم دیتا"۔

علامہ شمس الدین السرخسی (رحمۃ اللہ علیہ) امام صاحب کے منہج استدلال کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نے نبیذ تمر (کھجوروں کے پانی) کے ساتھ وضو کرنے کے متعلق خبر واحد کو اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا ہے"۔

اب مقام غور ہے کہ اگر امام صاحب کے مد نظر احادیث و روایات نہ ہوتیں تو قیاس کے مطابق نماز میں قہقہہ مارنے سے وضو کے نہ ٹوٹنے اور بھول کر کھانے پینے سے روزہ کے فاسد ہونے کا حکم لگا سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہیں کیا چونکہ امام اعظم متبع سنت اور احادیث نبوی کو قیاس پر مقدم رکھتے تھے تو اس لیے قیاس کو چھوڑ دیا اور احادیث کو اختیار کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کا حدیث میں منہج استدلال بڑا واضح ہے آپ نے روایت و درایت کے درمیان فطری توازن برقرار رکھا ہے عقل و قیاس کو اس پر فوقیت دینے کی بجائے اس کے تابع کیا ہے۔ یہی تو فقہ حنفی کی خوبصورتی اور امتیازی شان ہے کہ اس میں نہ تو عقل و قیاس کی ضرورت و افادیت سے انکار کیا گیا ہے اور نہ اسے نص روایت پر ترجیح دی گئی ہے اور نہ ہی نص و روایت کے فہم کو عقل و قیاس کی معاونت سے محروم کیا گیا ہے۔

☆☆☆

[16] (کشف الاسرار شرح اصول بزدوی، ج:1، ص:17)

[17] (ایضاً)

[18] (کتاب الاصل، ج:1، ص:174)

[19] (البحر المحیط فی اصول الفقہ، ج:6، ص:212)

[20] (اصول السرخسی، ج:2، ص:145)

فقہ حنفی میں اخبار آحاد سے استنباط کا اصولی مؤقف:

اعتراضات کا علمی محاکمہ

مترجم: حافظ محمد شہباز عزیز

نوٹ: (زیر نظر مضمون ڈاکٹر ساحرون شمس الدین (Sahiron Syamsuddin) کی تحقیق ہے جس کا انگریزی (Abu Hanifah's Use of Solitary Hadith) سے اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے- ڈاکٹر ساحرون کا تعلق انڈونیشیاء سے ہے اور آپ سنن کلیجاگا اسٹیٹ اسلامی یونیورسٹی یوگیکارتا کے شعبہ اصول الدّین و فکرِ اسلامی میں تحقیقی و تدریسی فرائض سر انجام دے رہے ہیں- علوم القرآن، تفسیر اور حدیث پر آپ کے کئی مقالہ جات اور کتب شائع ہو چکی ہیں)-

یہ دعوے ایک بڑی حد تک مفروضے پر قائم ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے شرعی احکام اخذ کرنے میں نص قرآن اور روایاتِ رسول (ﷺ) کی بجائے رائے (ذاتی استدلال) اور قیاس پر انحصار کیا-[1] بہت سے مستشرقین نے بھی یہ مفروضہ اپنایا ہے- مثلاً، اگناز گولڈزیہر (Ignaz Goldziher) اپنی کتاب "The Zahiris: Their Doctrine and Their History" میں کہتا ہے کہ:

"امام ابو حنیفہ نے اسلامی فقہ کی تدوین کیلئے پہلی سعی قیاس کی بنیاد پر کی"-[2]

اہل الاثر کی امام ابو حنیفہ پر اہل الرائے کے نمائندے کی حیثیت سے تنقید کو بہت سے سکالرز نے تسلیم کیا ہے جن میں این جے کولسن (N.J. Coulson) نے دو طبقات کے تنازعے میں کرسٹلائزیشن کا کام کیا ہے- اس معاملے میں کولسن روایتی نقطہ نظر کی تائید کرتا دکھائی دیتا ہے کہ پہلے والوں نے شرعی احکام کی تشکیل میں دلیل و منطق اور بعد والوں نے نص سے غفلت برتی-[3]

دوسری طرف، محمد ابن محمود الخوارزمی (متوفی: 665ھ/1267ء) نے "جامع المسانید" میں مذکورہ دعوی کی یہ کہہ کر نفی کی ہے کہ اس کے جواب دہندگان نے امام ابو حنیفہ کی فقہ کو صحیح معنوں میں سمجھا ہی نہیں- اس نقطہ نظر کے اثبات کیلئے انہوں نے اپنی کتب میں کئی دلائل پیش کیے ہیں-[4] مزید بر آں ابن حجر العسقلانی (متوفی: 852ھ/ 1449ء) نے امام ابو حنیفہ اور ان کے پیروکاروں کو اہل الرائے یا ذاتی استدلال کے حق میں نص کو نظر انداز کرنے والوں میں شمار نہیں کیا- وہ فرماتے ہیں:

آپ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ العلماء المتاخرین (آخری زمانے کے علماء) کے ارشادات کو سمجھیں جو کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اور ان کے پیروکار اصحاب الرائے (اہل استدلال) تھے- ان بیانات کا مقصود ان کی قدر و منزلت میں تخفیف کرنا تھا، اس کا

---

[1] محمد ابن محمود الخوارزمی، جامع المسانید (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، 1:41-43؛ الخوئی، معجم رجال الحدیث، 19:164؛ الکوثری، فقہ اہل العراق، 21

[2] Ignaz Goldziher, The Zahiris: Their Doctrine and Their History, trans. and ed., Wolfgand Behn (Leiden: E. J. Brill, 1971), 13

[3] N. J. Coulson, A History of Islamic Law (Edinburgh: The University Press, 1964), 52

[4] الخوارزمی، جامع المسانید، 1:41-53

مطلب ہر گز یہ نہیں کہ انہوں نے سنت نبوی (ﷺ) اور اقوالِ صحابہ کرام پر ذاتی استدلال کو ترجیح دی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اُس عمل سے نابلد تھے۔[5]

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جوزف شاخت (Joseph Schacht) (متوفی:1969ء) نے مذکورہ بالا نقطہ نظر سے اتفاق کیا ہے جیسا کہ جوزف کے اس بیان سے واضح ہے:

"روایات کے متعلق بشمول ابو حنیفہ اہل عراق کا رویہ بنیادی طور پر اہل مدینہ جیسا ہی ہے لیکن ان کی تھیوری زیادہ ترقی یافتہ ہے"۔[6]

مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نص کے معاملے میں برتاؤ پر علمائے کرام نے امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے، بالخصوص وہ احادیث نبوی (ﷺ) جن پر امام ابو حنیفہ نے اپنی قانونی رائے قائم کی ہے۔ لہٰذا یہ مقالہ روایتِ حدیث پر امام ابو حنیفہ کے انحصار کی حد کو دیکھ کر مسئلے کا جائزہ لے گا، بالخصوص وہ احادیث جنہیں آحاد[7] (Solitary) سمجھا جاتا ہے اور یہ جائزہ لے گا کہ امام ابو حنیفہ نے حدیثِ آحاد اور قیاس کی بنیاد پر قانونی فیصلوں کے درمیان تعارض سے کیسے نمٹا۔ تاہم، اس مسئلے کے تجزیے اور بیان سے قبل تعلم حدیث کے سلسلے میں امام ابو حنیفہ کی زندگی کا مختصر احوال پیش کرنا زیادہ معاون ثابت ہوگا۔

ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) اور تعلم حدیث:

ہمارے مطالعے کا اصل موضوع النعمان بن ثابت الکوفی ہے جو اپنی کنیت "امام ابو حنیفہ" سے مشہور ہیں۔ آپ کی پیدائش سن (80ھ/669ء) میں اموی عہدِ خلافت میں خلیفہ عبد الملک ابنِ مروان (متوفی:85ھ/704ء) کے زمانہ میں ہوئی اور آپ نے سن (150ھ/767ء) میں وفات پائی۔[8] کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کئی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے

---

[5] الکوثری، فقہ اہل العراق، 21

[6] Joseph Schacht, The Origins of Muhammadan Jurisprudence (Oxford: The Clarendon Press, 1959), 27.

[7] اس مقالہ میں آحاد سے مراد ایسی روایات حدیث ہیں جو اصطلاح "المتواتر" کی درج درجہ بندی میں شمار نہیں ہوتیں۔ الخطیب البغدادی اور زین الدین العراقی (متوفی 806ھ/1404ء) جیسے علماء "المتواتر" کی تعریف ایسی حدیث رسول (ﷺ) کے طور پر کرتے ہیں جسے راویوں کی ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہو اور عام تجربے (العادہ) کے مطابق ان راویوں کے کسی بھی موقع پر جھوٹ بولنے پر متفق ہونے کا احتمال تک نہ ہو۔ حدیث کے متن میں کسی بھی ابہام کے دخل کا عدم احتمال اور ان تمام عوامل کی عدم موجودگی ہو جو راوی کو جھوٹ کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ متواتر احادیث سے زود تر (فی الفور) یا ضروری علم (العلم الضروری) حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا اپنی زندگیوں میں متواتر روایات کے متعلق رہنمائی ہونا لازمی ہے۔ جو احادیث مذکورہ شرائط پر پوری نہیں اترتیں آحاد کہلاتی ہیں۔ اس خصوصیت کے لحاظ سے جو کہ سند (راویوں کا سلسلہ) اور متن (موضوعِ روایت) پر منحصر ہے آحاد احادیث صحیح، حسن یا ضعیف ہو سکتی ہیں۔ آحاد روایات میں ظن (علم احتمالی) شامل ہے۔ الآحاد، الصحیح اور الحسن شرعی معاملات میں بطور ماخذ کام آسکتی ہیں جبکہ الضعیف نہیں۔ ان اصطلاحات کے متعلق مزید تفصیل اصول الحدیث اور اصول الفقہ کی بہت سی کتب میں موجود ہے۔ دیکھیے: الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم الروایہ، ایڈیٹر، احمد عمر ہاشم (بیروت: دار الکتاب العربی، 1986)، 32؛ محمد جمال الدین القاسمی، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، ایڈیٹر، محمد بہجۃ البیطار (بیروت: دار النفائس، 1987)، 151؛
On Inductive Corroboration, Probability and Certainty in Sunni Legal Thought،"Wael B.Hallaq Law and Legal Theory in Classical and Medieval Islam (Aldershot: Variorum, 1994), ch. IV: 3-31, Nicholas Aghnides, Mohammedan Theories of Finance with an Introduction to Mohammedan Law and a Bibliography (Lahore: The Premier Book House, 1961), 39–47;

[8] الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، 13:330۔ جہاں تک سال کا تعلق ہے کہ امام ابو حنیفہ کب پیدا ہوئے؟ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ داؤد ابن علایہ کا ماننا ہے کہ یہ 61ھ ہے۔ تاہم اس کا اصرار ہے کہ یہ خبر مشتبہ (مشکوک) ہے۔ مزید دیکھیے: تقی الدین ابن عبد القادر التمیمی، الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیۃ، ایڈیٹر، عبد الفتاح محمد ابو غدۃ (قاہرہ: لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، 1970)، 1:88؛ الخوارزمی، جامع المسانید، 1:21 اور 78؛ محمد ابن یوسف الصالحی، عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان (حیدر آباد: مطبعۃ المعارف الشرقیہ، 1974)، 42؛ جمال الدین ابو الحجاج یوسف ابن عبد الرحمن المزی تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ایڈیٹر، بشار عواد معروف (بیروت: مؤسسات الرسالہ،

شرف ملاقات کیا۔[9] جن میں انس ابن مالک (متوفی: 93ھ / 712ء)، عبد اللہ ابن حارث ابن جزالزبیدی (متوفی: 86ھ / 705ء)، عبد اللہ ابن ابی اوفہ (متوفی: 87ھ / 706ء) اور واثلہ ابن اسقع (متوفی: 83ھ / 702ء) ہیں۔ جن سے آپ نے بلاواسطہ کئی احادیث بھی لیں۔[10] اس بنیاد پر مسلم مؤرخین جیساکہ امام ابن سعد (متوفی: 230ھ / 844ء) اور الخطیب نے آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے۔[11] آپ نے کئی تابعین سے بھی کثیر احادیث سماع کیں۔ امام المزی نے "تہذیب الکمال" میں 78 راویانِ حدیث کی فہرست مرتب کی ہے جن میں سے زیادہ تر کوفہ میں مقیم تھے۔[12]

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اپنے علم حدیث میں وسعت و اضافے کی خاطر امام ابوحنیفہ نے بہت سے دیگر شہروں بالخصوص بصرہ، مکہ اور مدینہ کا سفر بھی کیا جو مراکزِ حدیث کے طور پر معروف تھے۔ یہاں انہوں نے بہت سے جید محدثین کی زیر نگرانی علم حدیث حاصل کیا۔ کوفہ میں آپ نے حماد ابن ابی سلیمان (متوفی: 120ھ / 738ء) جن سے علم فقہ بھی سیکھا، عامر الشعبی (متوفی: 104ھ / 722ء)، سلمہ ابن کہیل ابن الحصین (متوفی: 123ھ / 741ء)، ابو اسحاق سلیمان ابن ابی سلیمان الشیبانی الکوفی (متوفی: 120ھ / 738ء)، سماک ابن حرب (متوفی: 123ھ / 741ء)، محارب ابن دثار (متوفی: 116ھ / 734ء)، عون ابن عبد اللہ (متوفی: 116ھ / 734ء)، ہشام ابن عروہ (متوفی: 146ھ / 763ء) اور سلیمان بن مہران (متوفی: 148ھ / 765ء) سے تعلیم حاصل کی۔ بصرہ میں بھی ابوحنیفہ نے قتادہ وابن دعامہ (متوفی: 118ھ / 738ء) اور شعبہ ابن الحجاج (متوفی: 160ھ / 776ء) سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ مکہ میں آپ نے عطاء ابن ابی رباح (متوفی: 114ھ / 732ء) اور عکرمہ ابن عبد اللہ البربری (متوفی: 105ھ / 723ء) سے حدیث سیکھی۔ مدینہ میں انہوں نے سلیمان ابن یسار (متوفی: 107ھ / 725ء)، سالم ابن عبد اللہ ابن عمر (متوفی: 106ھ / 725ء) سے سماعِ حدیث کیا۔[13] ابوحنیفہ نے اپنے شیوخ سے جو احادیث سیکھیں وہ آپ کے شاگردوں کو منتقل کی گئیں جن کے اسمائے گرامی امام المزی نے تہذیب الکمال میں رقم کیے ہیں۔ ان میں حماد ابن ابی حنیفہ (متوفی: 176ھ / 792ء)، ابو یوسف یعقوب ابن ابراہیم القاضی (متوفی: 182ھ / 798ء) اور محمد ابن الحسن الشیبانی (متوفی: 189ھ / 805ء) شامل

1992)، 29:444۔ یوسف ابن عبد الرحمن المزی (متوفی: 742ھ / 1341ء) نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین (متوفی: 233ھ / 848ء) کہتے ہیں امام ابوحنیفہ کا سن وفات 151ھ / 768ء تھا اور مکی ابن ابراہیم (215ھ / 830ء) کے مطابق یہ 153ھ / 770ء تھا۔

9 مسلم مخبرین نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی تعداد پر اتفاق نہیں کیا جن سے ابوحنیفہ نے ملاقات کی۔ بعض جیساکہ احمد ابن عبد اللہ الاصبہانی (متوفی: 430ھ / 1038ء) نے کہا کہ وہ تین تھے یعنی انس ابن مالک (ابوحنیفہ 13 سال کے تھے جب کوفہ میں ان سے ملے)، عبد اللہ ابن الحارث (ابوحنیفہ 16 سال کے تھے جب مکہ میں ان سے ملے) اور عبد اللہ ابن ابی اوفی۔ بعض جیساکہ ابن خلکان (متوفی: 681ھ / 1282ء) نے چار اسمائے گرامی دیے ہیں۔ انس ابن مالک (کوفہ میں)، عبد اللہ ابن ابی اوفی (کوفہ میں)، سہل بن سعد الساعدی (متوفی: 91ھ / 710ء)، ابو طفیل عامر ابن واثلہ (متوفی: 100ھ / 708ء) (مکہ میں)۔ بعض نے یہ تعداد چھ (6) بتائی ہے۔ انس ابن مالک، عبد اللہ ابن انیس، عبد اللہ ابن الحارث، عبد اللہ ابن ابی اوفی، واثلہ ابن الاسقع اور عائشہ بنت عجرد۔ بعض جیساکہ الخوارزمی نے مذکور چھ اسمائے گرامی اور جابر ابن عبد اللہ (متوفی: 78ھ / 698ء) کا نام شامل کر کے یہ تعداد سات بتائی ہے جبکہ بعض نے معقل ابن یسار (متوفی: 65ھ / 685ء) اور مذکورہ سات اسمائے گرامی شامل کر کے یہ تعداد آٹھ بتائی ہے۔ دیکھیے: احمد ابن عبد اللہ الاصبہانی، مسند ابی حنیفہ، ایڈیٹر، نذر محمد، 24 تا 25؛ ابن خلکان، وفیات الاعیان، 5:406؛ الخوارزمی، جامع المسانید، 1:6 تا 22 اور 2:345 تا 348؛ الصالحی، عقود الجمان، 49 تا 61۔

10 راویان کے مطابق اسناد احادیث (راویوں کا سلسلہ) صحیح، ضعیف حتیٰ کہ موضوع (من گھڑت) کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ دیکھیے، الصالحی، عقود الجمان، 62-54

11 الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، 13:324

12 دیکھیے: المزی تہذیب الکمال، 20-418:29 اور محمد ابن محمد الذہبی، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، ایڈیٹر، عمر عبد السلام تدمری، 9:306۔

13 Shibli Numani, Imam Abu Hanifah: Life and Work, tr., M. Hadi Hussain (New Delhi: Kitab Bhavan, 1988), 18–26.

تھے-[14] امام ابو حنیفہ سے مروی احادیث کی تدوین کے کفیل (ذمہ دار) یہ تین آئمہ تھے جو امام ابو حنیفہ کی "المسند" یا "کتاب الآثار" میں جمع کی گئی ہیں-[15] ابو حنیفہ کے علم حدیث میں وسعت وعمیق نظری کا اعتراف ان کے معاصرین نے بھی کیا ہے- مثلاً، ابو یوسف نے کہا کہ فقہ (اسلامی قانون) سے متعلق حدیث کی تاویل میں امام ابو حنیفہ سے زیادہ علم رکھنے والا (ماہر) کوئی نہیں تھا-[16] سب سے بڑھ کر، امام ابو حنیفہ علوم حدیث کی شاخ "الجرح و التعدیل" کے ماہر سمجھے جاتے تھے جس سے راویوں کی خصوصیات کو جانچا جاتا ہے تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے آیا حدیث مستند ہے یا نہیں- مثال کے طور پر، امام ابو حنیفہ نے سفیان الثوری کو معتبر (ثقہ) راوی، زید بن عیاش کو ضعیف راوی اور جابر الجعفی کو موضوع (من گھڑت) راویِ حدیث میں شمار کیا ہے-[17] یہ ظاہر کرتا ہے کہ ابو حنیفہ کا علم حدیث اور راویوں کی قابلیت و اہلیت جس پر اس کی قبولیت منحصر ہوتی ہے، شک وشبہ سے بالاتر ہے- تاہم اصل مسئلہ یہ ہے کہ کس حد تک اور کیسے ابو حنیفہ نے اپنے علم حدیث کو شرعی احکام کے استدلال کے لئے استعمال میں لایا-

امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا آحاد روایات کی جانب طرزِ فکر:

ایسی کثیر روایات ہیں جن میں امام ابو حنیفہ نے فقہی معاملات سے نبرد آزما ہونے کے لئے روایاتِ رسول (ﷺ) میں وارد اُمور کے مقابلے میں اپنے ذاتی استدلال کو ترجیح دی ہے-[18] جیسا کہ حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے روایاتِ حدیث لیں لیکن پھر اپنی رائے کے حق میں انہیں رد کر دیا- بہر حال، خطیب بغدادی سے فراہم شدہ روایات ایسی امثال سے لبریز ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے احادیثِ رسول (ﷺ) کے بارے بظاہراً زود فہم انداز میں بات کی ہے- مثلاً، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے امام ابو حنیفہ کو یہ حدیث رسول (ﷺ) بیان کی:

"اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا"

خریدنے اور بیچنے والے جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں انہیں اختیار باقی رہتا ہے-

تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے اسے مبینہ رد کر دیا ہے کہ کیا ہو گا اگر دونوں (بائع اور مشتری) کشتی پر سوار ہوں؟ کیا

---

[14] الذہبی، تہذیب الکمال، 22-420:29

[15] ابو حنیفہ سے منقول احادیث کے پندرہ مجموعے ہیں جنہیں الخوارزمی نے اپنی جامع المسانید میں شامل کیا ہے- یہ وہ مسانید ہیں جنہیں عبد اللہ ابن محمد ابن یعقوب الحارثی (متوفی: 340ھ / 52-951ء)، طلحہ بن محمد (متوفی: 380ھ / 990ء)، محمد ابن المظفر ابن موسیٰ (متوفی: 386ھ / 996ء)، احمد ابن عبد اللہ الاصبہانی (متوفی: 430ھ / 1038ء)، ابو بکر محمد ابن عبد الباقی الانصاری (متوفی: 535ھ / 1140ء)، عبد اللہ ابن عدی الجرجانی (متوفی: 365ھ / 76-975ء)، الحسن ابن زیاد اللؤلؤی (متوفی: 204ھ / 819ء)، عمر ابن الحسن الاشنانی (متوفی: 339 / 951)، ابو بکر احمد ابن محمد ابن خالد الکلاعی (متوفی: 432ھ / 1041ء)، محمد ابن الحسین البلخی (متوفی: 526ھ / 1132ء)، ابو یوسف یعقوب ابن ابراہیم القاضی، محمد ابن ابی حنیفہ، محمد ابن الحسن الشیبانی جن کے مجموعہ کو الآثار کہتے ہیں اور عبد اللہ ابن محمد، ابی العوام السعدی (متوفی: 290ھ / 903ء) نے مرتب کیا-

[16] تقی الدین التمیمی، الطبقات السنیۃ، 1:99

[17] ایضاً، 1:111

[18] الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، 13:91-390

ہو گا اگر دونوں قید میں ہوں؟ اور کیا ہو گا اگر وہ سفر میں ہوں؟ وہ کیسے باہم جدا ہو سکتے ہیں؟[19]

دوسری مثال یحیٰ بن آدم (متوفی: 203ھ / 818ء) نے بیان کی ہے کہ جب امام ابو حنیفہ کی توجہ اس حدیث کی طرف دلائی گئی کہ:

"اَلْوُضُوءُ نِصْفُ الْإِيمَانِ"

"وضو کرنا نصف ایمان ہے"۔

انہوں نے جواب دیا کہ پھر آپ اپنے ایمان کی تکمیل کیلئے دو مرتبہ وضو کیوں نہیں کر لیتے؟[20]

"خطیب بغدادی کی "تاریخ بغداد" میں چند مثالیں اور بھی موجود ہیں جہاں امام ابو حنیفہ نے بعض احادیث کا رد کیا ہے۔ اس بنیاد پر جی ایچ اے جوئن بال (G.H.A. Juynboll) نے اپنی کتاب (Muslim Tradition) میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو گاہے گاہے ہی مُنکرین احادیث میں شمار کیا جا سکتا ہے۔[21]

میرے خیال میں، یہ تعین کرنا حد درجہ ضعیف دکھائی دیتا ہے کیونکہ یہ بات جانچنے کیلئے سکالرز کی تحقیق ادھوری ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ایسی احادیث کا استعمال کیوں نہ کیا۔ درحقیقت، ماننے کو کافی دلائل ہیں کہ ایسی احادیث کا رد کیوں کیا، کیونکہ، ان کے مطابق، یہ احادیث مطلوبہ شروط القبول (احادیث رسول (ﷺ) کی قبولیت کا معیار) پر پورا نہیں اترتیں۔

امام ابو حنیفہ کا احادیث کی طرف رویہ کو سفیان الثوری کے قول میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

"میں نے سنا کہ انہوں (ابو حنیفہ) نے فرمایا: میں خدا کی کتاب (قرآن مجید) کو قبول کرتا ہوں، اگر میں اس میں کچھ نہ پاؤں تو میں سنت رسول (ﷺ) کو مانتا ہوں، اگر میں سنت میں کچھ نہ پاؤں تو صحابہ کرام کا فرمان قبول کرتا ہوں، اُن کی آراء سے میں جو چاہے لے لوں گا اور جو چاہے چھوڑ دوں گا۔ میں اُن کی آراء سے انحراف نہیں کرتا اور نہ ہی دوسروں (غیر صحابہ) کی آراء پہ عمل کرتا ہوں۔ لیکن جب کسی مسئلے کا تعلق ابراہیم، الشعبی، ابن سیرین، الحسن، عطاء، سعید بن المسیب اور ان جیسے لوگوں (یعنی تابعین) سے ہو تو ایسی صورتوں میں مجھے اجتہاد کی جانب رجوع کرنا پڑے گا[22] جیسا کہ انہوں کیا۔[23]

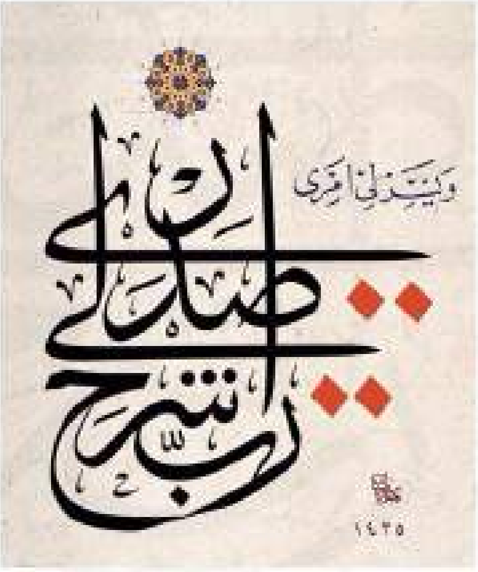

مذکورہ بیان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فقہی فیصلے کرنے میں سنت نبوی (ﷺ) جو کہ روایت احادیث کی صورت میں موجود ہے کو قرآن مجید کے بعد دوسری بنیاد قرار دیا ہے۔ جب کوئی قرآنی آیات یا روایاتِ حدیث ایسی موجود نہ ہوتیں جو اس مسئلہ سے

---

[19] ایضاً، 13:389

[20] ایضاً، 13:388، (اس انداز کا نکتہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ کو یقین تھا کہ یہ فرامین جو رسول اللہ (ﷺ) سے منسوب ہیں لیکن (کئی محققین کے مطابق) وہ آپ (ﷺ) کے فرامین نہیں تھے، ایڈیٹر)

[21] G. H. A. Juynboll, Muslim Tradition: Studies in the Chronology, Provenance, and Authorship of Early Hadith (Cambridge: Cambridge University Press, 1982), 122.

[22] اصولیین اجتہاد کو اسلامی شرعی احکام کی جستجو میں فقیہ کی ذہنی صلاحیت کی بے حد سعی کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ دیکھیے، علی ابن ابی علی الآمدی، الاحکام فی اُصول الاحکام (قاہرہ: دار الحدیث)، 4:218؛ علی الشیرازی، الوصول إلی مسائل الاصول، ایڈیٹر، عبد المجید الترکی (الجزائر: الشرکہ الوطنیہ) 2:433؛ عبد اللہ دراز ابو اسحاق الشاطبی کی الموافقات فی اُصول الشریعہ کی تفسیر شرح (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، 4:64 اور

Wael B. Hallaq, "Was the Gate of Ijtihad Closed?" in his Law and Legal Theory in Classical and Medieval Islam , ch. V.

[23] المزی، تہذیب الکمال، 29:443؛ الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، 13:368؛ الصالحی، عقد الجمان، 172

متعلق ہوتی جس کا امام ابو حنیفہ کو سامنا ہوتا تو وہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی اُن آراء کو ترجیح دیتے جنہیں وہ صحیح گردانتے تھے پھر چاہے وہ شخصی آراء پر مشتمل ہوں یا اجماع (اتفاقِ رائے) کی بنیاد پر اکٹھے ہوئے ہوں۔[24] انہوں نے اجتہاد کا سہارا صرف تب لیا جب وہ درپیش قانونی مسئلے کا مندرجہ بالا ماٰخذات میں کوئی جواب تلاش نہ کر سکے۔ ابو حنیفہ کی نظر میں حدیث کی اہمیت کا اندازہ اُن کے اس قول سے بھی لگایا جا سکتا ہے:

"اگر رسول اللہ (ﷺ) سے کوئی حدیث ہے تو میں اس سے کسی اور چیز کے لیے انحراف نہیں کروں گا بلکہ اُسے قبول کروں گا، اگر آپ (ﷺ) کے صحابہ کرام سے کوئی آراء آتی ہیں تو میں ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کروں گا اور اگر تابعین کی طرف سے روایات میسر آئیں تو میں (خود کو اسی بنیاد پر رکھتے ہوئے) اپنی رائے کو متقابل لاؤں گا"۔[25]

تاہم یہ حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ روایاتِ حدیث کے استعمال میں انتہا درجہ محتاط تھے۔ آپ نے انہیں قانونی ماٰخذ کے طور پر صرف تب استعمال کیا جب وہ پُر یقین تھے کہ یہ اپنی شرطِ قبولیت پر پورا اترتی ہیں۔ ابو غدہ نے الکوثری کی "فقہ اہل العراق" کے اپنے ایڈیشن میں تذکرہ کیا ہے کہ کوثری نے اپنی "تانیب الخطیب" میں ابو حنیفہ کے خبر واحد کی روایت احادیث کے معاملے میں احتیاط برتنے کی تفصیل بیان کی ہے۔ کوثری کے مطابق ابو حنیفہ نے خبر واحد کے ساتھ معاملہ کرتے وقت مندرجہ ذیل اصولوں کا اطلاق کیا:

1. خبر واحد بشمول مرسل روایت[26] قبول کی جاتی ہے اگر وہ کسی قوی دلیل سے متصادم نہ ہو جیسا کہ قرآن مجید کی عمومی (آفاقی) اور ظاہر (واضح) آیات، السنۃ المشہورہ یعنی معروف روایات،[27] مقاصد الشریعہ (اسلامی شرعی احکام کے بنیادی مقاصد) اور دیگر آحاد جو کہ زیادہ مستند (صحیح) سمجھی جاتی ہیں۔[28]
2. اگر متعلقہ روایت کا راوی معتبر (ثقہ) سمجھا جاتا ہے۔
3. اگر راوی اس روایت کو رد نہیں کرتا جو اس نے بیان کی ہے اور نہ ہی اپنے بیان شدہ قول کے خلاف عمل کرتا ہے اور نہ ہی اپنی بیان کردہ روایت کے برعکس فتویٰ (قانونی رائے) دیتا ہے۔

یہ بتانا بھی لازم ہے کہ جن صورتوں میں حدود سے متعلقہ کثیر روایات موجود تھیں اور جن میں باہمی اختلاف تھا امام ابو حنیفہ نے اس روایت پر عمل کرنے کو ترجیح دی جس

[24] دیکھیے، عبد الحلیم الجندی، ابو حنیفہ: بطل الحریۃ والتسامح فی الاسلام (قاہرہ: دار السعد، 1945)، 138

[25] الصالحی، عقد الجمان، 173

[26] المرسل سے مراد ایسی حدیث رسول اللہ (ﷺ) ہے جس کی سند میں پہلے راوی (یعنی کسی صحابی) کا ذکر نہ ہو یعنی تابعی بلا واسطہ حضور اکرم (ﷺ) سے روایت نقل کرے۔ مثلاً ایک تابعی جیسا کہ سعید بن المسیب (متوفی 94ھ / 713ء) نے رسول اللہ (ﷺ) کے اس صحابی کا نام لیے بغیر ایک حدیث نقل کی جن سے آپ نے یہ حدیث لی تھی۔ اہل علم اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ آیا مرسل روایت مستند (حجت) ہے یا نہیں۔ دیکھیے، الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم الروایہ، 435-423؛ حسین ابن عبد اللہ الطیبی، الخلاصۃ فی اصول الحدیث، ایڈیٹر، صبحی السامرائی، 65-6؛ جلال الدین السیوطی، منظومۃ علم الاثر، محفوظ ابن عبد اللہ الترمسی کے منہج ذوی النظر کے ساتھ مطبوعہ (بیروت: دار الفکر، 1981)، 54-49؛ صبحی الصالح، علوم الحدیث ومصطلحہ، 8-166؛ خلدون الاحدب، اسباب اختلاف المحدثین، 70-203

[27] حنفی اصولیین کے نزدیک یہ اس بنیاد پر ہے کہ آحاد کے ذریعے آیاتِ قرآنی اور السنۃ المشہورہ کی تخصیص جائز نہیں ہے۔ اس کے برعکس شوافع نے اسے قابلِ قبول سمجھا ہے۔ دیکھیے محمد احمد السرخسی، اصول السرخسی، 364:1؛ محمد ابن ادریس الشافعی، الرسالہ، ایڈیٹر، احمد محمد شاکر، 64

[28] محدثین کے نزدیک اگر کوئی حدیث ان چار شرائط پر پوری اترتی ہو تو اسے صحیح سمجھا جاتا ہے۔ (الف) اس کی سند (راویوں کا سلسلہ) شروع سے آخر تک (اولین راویوں یعنی کسی صحابی سے) منقطع نہ ہو؛ (ب) اس کے تمام راوی ثقہ ہوں؛ (ج) اس کی سند اور متن (مضمون) شاذ؛ (غیر منظم، قوی دلیل کے منافی) اور (د) اس کی اسناد اور متن میں کوئی عیب یا نقص نہ ہو۔ احادیث کی صحت (صداقت) ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اور یہ اس بات پر منحصر ہے کہ حدیث مذکورہ شرائط کو کس حد تک بخوبی پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہے۔ دیکھیے: الطیبی، الخلاصۃ فی اصول الحدیث، 8:35؛ عثمان ابن عبد الرحمن ابن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح، زین الدین العراقی کے متن کے ساتھ مطبوعہ، التقیید والایضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح (بیروت: دار الفکر، 1981)، 42-20

میں معمولی (نسبتاً کم) سزا عائد کی گئی تھی۔[29] انہی بنیادوں پر امام ابو حنیفہ نے ان روایات کو رد کیا جو آپ کے خیال میں مذکورہ شرائط پر پورا نہ اترتی تھیں۔

پہلی شرط کے لحاظ سے، یہ متعلقہ موضوع پر قوی ثبوت سے متصادم نہ ہو، السرخسی نے بیان کیا ہے کہ جو حدیث کسی قرآنی آیت کی تخصیص کرتی ہو اُسے اس آیت سے متصادم سمجھا جانا چاہیے اور اس لیے اسے مستند نہیں کہا جا سکتا۔[30] سرخسی کا یہ خیال رسول اکرم (ﷺ) کے درج ذیل ارشاد پہ مبنی ہے (اسے امام شافعی نے بھی روایت کیا):

"میری وفات کے بعد تم میں احادیث بڑھ جائیں گی، پس اگر میرے نام سے کوئی حدیث مروی ہو تو اسے کتاب اللہ کے تابع کرنا (قرآن مجید کی روشنی میں پرکھنا)، جو بھی روایت کتاب اللہ (قرآن مجید) موافقت رکھتی ہو اسے قبول کرنا اور سمجھ جانا کہ وہ میری طرف سے ہے۔ اس کے برعکس، جو بھی روایت کتاب اللہ سے متصادم ہو اسے لازمی رد کر دینا اور جان لینا کہ میں اس کا جوابدہ نہیں ہوں"۔[31]

سرخسی کے مطابق ایک اور وجہ یہ ہے کہ قرآن حتمی (قطعی، متیقن بہ) ہے، خواہ ترسیل نقل کے لحاظ سے ہو یا متن کے لحاظ سے جبکہ ایک خبر واحد صرف احتمالی ہے۔[32] اس کی ایک مثال جسے امام ابو حنیفہ قرآن کے ظاہر (بیّن) مفہوم سے متعارض سمجھتے تھے وہ فاطمہ بنت قیس (رضی اللہ عنہا) سے منقول حدیث ہے۔ اس روایت کے مطابق ابو عمرو بن حفص (رضی اللہ عنہ) نے فاطمہ بنت قیس (رضی اللہ عنہا) کو تین دفعہ طلاق دی۔ حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ (ﷺ) کے پاس حاضر ہوئے اور دریافت فرمایا کہ ابو عمرو (رضی اللہ عنہ) پر اُن کا نفقہ (کفالت) واجب ہے یا نہیں؟ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

" وہ (عورت) نفقہ یا سکنہ (رہائش) حاصل نہیں کر سکتی"۔[33]

مذکورہ خبر واحد حدیث کو امام ابو حنیفہ نے اِس بنا پر رد کر دیا کہ یہ 'سورۃ الطلاق، آیت:6' کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے۔

"تم ان (مطلّقہ) عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم اپنی وسعت کے مطابق رہتے ہو"۔[34]

اس نکتہ پر امام ابو حنیفہ کی رائے شوافع سے مختلف ہے۔[35] امام شافعی الرسالہ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ روایت قرآن مجید سے متصادم نہیں ہے کیونکہ حدیث آحاد کسی قرآنی آیت کے عام مفہوم کو اس بنا پر خاص کر سکتی ہے کہ قرآنی آیت کے عموم (عمومیت) سے الیقین (یقینی) حاصل نہ ہوتا ہو۔ مگر صرف ظن (احتمال) ہو جیسا کہ خبر واحد سے ایسا ہوتا ہے اور یہ کسی متن کی تخصیص کسی بھی طرح سے تخصیص شدہ اور تخصیص کرنے کے مابین تضاد نہیں ہے بلکہ یہ اس کی وضاحت کرتا

---

[29] دیکھیے، السرخسی، اصول السرخسی، 7-2:3؛ الکوثری، فقہ اہل العراق، الہندی، 36-38؛ ابو حنیفہ: بطل الحریہ والتسامح فی الاسلام، 140

[30] السرخسی، اصول السرخسی، 1:364

[31] ایضاً: 1:365، مزید دیکھیے، الشافعی، الرسالہ، 224؛ ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، 1:191

[32] ایضاً: 1:365، مزید دیکھیے، علاؤالدین عبد العزیز ابن احمد البخاری، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی، ایڈیٹر، محمد المعتصم باللہ البغدادی، 20-3:19

[33] ایضاً: 1:365، مزید دیکھیے، علاؤالدین عبد العزیز ابن احمد البخاری، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی، ایڈیٹر، محمد المعتصم باللہ البغدادی، 20-3:19

[34] دیکھیے، السرخسی، اصول السرخسی، 1:365

[35] Schacht, The Origins, 29

ہے جو واضح نہیں ہے۔امام شافعی نے قرآنی آیات کی متعدد مثالیں دی ہیں جنہیں آحاد احادیث سے مخصوص کیا گیا ہے۔[36]

امام ابو حنیفہ کا کسی ایسی حدیث کا رد کرنا جو اس کی قبولیت کیلئے عائد کردہ لازمی معیار پر پورا نہیں اترتی غنیمہ (مالِ غنیمت) کو اپنے شریک کاروں کے ساتھ تقسیم کے معاملے میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔[37] ابو حنیفہ کے نزدیک جو مسلمان جنگ میں مارا جائے وہ مال غنیمت میں سے حصہ کا اہل نہیں ہے۔یہ مؤقف اختیار کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ نے امام الاوزاعی کی سند سے اُس حدیث کا رد کیا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے مالِ غنیمت کا ایک حصہ خیبر میں قتل ہونے والے مسلمان کو عطا کیا تھا۔[38] ابو حنیفہ کی مذکورہ حدیث کو رد کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس سے کہیں زیادہ مستند الزہری کی روایت کردہ حدیث موجود تھی، جس میں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے عبیدہ ابن الحارث کو غنیمت کا حصہ دینے سے منع فرمایا دیا تھا جو غزوہ بدر کے دوران صفراء میں شہید کیے گئے تھے۔[39]

آحاد احادیث کے راویان کے ثقہ ہونے پر جو کہ قبولیت کی دوسری شرط ہے فقہائے احناف اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ثقہ (معتبر، قابلِ اعتماد) مانے جانے کیلئے راویان کی اسلام میں راسخ العقیدگی اور عقل کے علاوہ ان میں عدل (تقویٰ) اور ضبط (فہم) کی اہلیت کا پایا جانا ضروری ہے۔ "عدالہ" سے مراد شعائرِ دینیہ میں مستقل مزاجی ہے، خاص طور پر کسی بھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرنا اور گناہِ صغیرہ سے اجتناب کرنا اور ان امور سے اجتناب کرنا جو اس کی عزتِ نفس کے احساس میں محرومی کا سبب بنے۔[40] دوسری طرف 'ضبط' سے مراد کسی کی قوتِ سماعت، دماغ میں بٹھانا اور روایہ (مروی خبر) کو سمجھنا ہے۔[41] اسی لیے امام ابو حنیفہ نے فرمایا:

"کوئی شخص حدیث کو اس وقت تک روایت نہ کرے یہاں تک کہ اُس نے حدیث سننے کے وقت سے لے کر اُسے روایت کرنے تک اپنے حافظے میں اچھی طرح محفوظ نہ کر لیا ہو"۔[42]

تمام راویان حدیث کیلئے اس بنا پر عدل اور ضبط کی شرط ضروری ہے کہ ہر روایت میں صدق (صحیح) یا کذب (غیر صحیح) کی صفت موجود ہوتی ہے اور صحت، جو کسی بھی روایت حدیث کیلئے لازمی ہے جزوی طور پر اس روایت میں موجود ان خصوصیات پر منحصر ہے۔[43]

راوی نے جو کچھ روایت کیا ہے، اس کے فتوی یا افعال کے مابین ممکنہ تضاد کے بارے میں السرخسی اور البزدوی نے اصول کی اپنی کتب میں اس قسم کے تضاد کی چار اقسام بیان کی ہیں۔اولاً، وہ صورت ہے جہاں راوی روایت کا کلیۃً انکار کرتا

---

[36] الشافعی، الرسالہ:79-64، عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار:20:3، اور الآمدی، الاحکام فی أصول الأحکام، 7-2:472

[37] ابو یوسف یعقوب ابن ابراہیم الانصاری، الرد علی سیر الأوزاعی، ایڈیٹر، ابو الوفاء الافغانی (قاہرہ، احیاء المعارف النعمانیہ)، 23

[38] الاوزاعی، سنن الأوزاعی، 412

[39] ابو یوسف، الرد علی سیر الأوزاعی، 4-23

[40] عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 743:2، مزید دیکھیے، الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم الروایہ، 102

[41] عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 6-2:735

[42] تقی الدین ابن عبد القادر، الطبقات السنیۃ، 1:112

[43] عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 2:728

ہے- بعض فقہاء جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف نے اشارہ کیا ہے کہ ایک طرف اگر ایسا ہو تو اُس کی حدیث مستند قرار نہیں دی جاسکتی- دوسری طرف، امام الشافعی اور امام محمد ابن الحسن الشیبانی اب بھی اسے ایک مستند قانونی ماٰخذ سمجھتے ہیں-[44] ایسی روایت کی ایک مثال محمد ابن مسلم ابن شہاب الزہری (متوفی:124ھ/742ء) کی سند سے سلیمان ابن موسیٰ سے مروی ایک حدیث ہے جنہوں نے عروہ سے حدیث لی، انہوں نے اُم المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے سنا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"جو عورت بھی اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے"-[45]

یہ لکھا ہے کہ جب عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج (متوفی:150ھ/767ء) نے زہری سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے اس کا اعتراف نہیں کیا- اس لیے امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف (شیخان) نے اس حدیث کو شمار نہیں کیا- انہوں نے اس کی بجائے ایک اور حدیث کا انتخاب کیا جو ولی کی اجازت کے بغیر عورت کے نکاح کو جائز قرار دیتی ہے- حدیث میں آیا ہے:

"بیوہ عورت اپنے ولی کے بالمقابل اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری سے اس کی شادی کی اجازت لی جانی چاہیے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے"-[46]

دوسری قسم کا تضاد راوی کے عمل کرنے یا اس کی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دینے میں ہے- ایسی صورتوں میں جہاں راوی کا عمل یا فتویٰ متعلقہ حدیث کے موصول ہونے سے پہلے لکھا گیا ہو یا واقعات کے تواتر میں کوئی شبہ ہو تو حدیث مستند سمجھی جاتی ہے- لیکن اگر فتویٰ یا عمل بعد میں واقع ہوا ہو تو راوی نے جو حدیث بیان کی ہے اسے قانونی ماخذ کے طور پر قبول نہیں کیا جائے گا- اِس کی وجہ یہ ہے کہ راوی کا حکم یا عمل اس کی اپنی روایت کے برعکس ہونا یا تو اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ معتبر (ثقہ) نہیں ہے یا یہ کہ حدیث کو کسی اور حدیث سے احتمالاً منسوخ کر دیا گیا تھا- اس طرح کی منسوخ حدیث کی ایک مثال ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کی روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین فرماتے تھے- تاہم یہ موجود ہے کہ مجاہد نے کہا کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کی مصاحبت میں کئی برسوں کے دوران انہوں نے کبھی بھی ان کو نماز میں رفع یدین کرتے نہیں دیکھا سوائے ایک مرتبہ نماز کی ابتداء میں تکبیر کے-[47]

تیسری قسم کا تضاد اس وقت پایا جاتا ہے جب راوی حدیث کے ممکنہ معانی (متحملات) کا ایک حصہ بیان کرتا ہے- مثلاً ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"بائع اور مشتری کو لین دین منسوخ کرنے کا اختیار ہے جب تک کہ وہ الگ نہ ہو جائیں"-

[44] دیکھیے، السرخسی، اصول السرخسی، 2:3؛ اور عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 5-3:124

[45] دیکھیے، ابوداؤد سلیمان ابن الاشعث، سنن ابی داؤد، ایڈیٹر، محمد محی الدین عبد الماجد، اور احمد ابن حنبل، مسند احمد ابن حنبل 6:66

[46] دیکھیے، عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 3:129-31؛ مسلم ابن الحجاج النیسابوری، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت؛ ابوداؤد سلیمان ابن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الثیب؛ ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی، ابواب النکاح عن رسول اللہ، باب ما جاء فی استئمار البکر والثیب؛ اور الخوارزمی، جامع المسانید، 2:119

[47] السرخسی، اصول السرخسی، 6-2:5؛ اور عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 4-3:132

مذکورہ حدیث کے دو معانی ہیں: (الف) جسمانی علیحدگی جیسا کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے سمجھا اور (ب) ان کی پیشکش اور قبولیت کے بیانات کی علیحدگی کہ ایک فریق کی طرف سے پیشکش اور دوسری طرف سے قبولیت ہے۔

اگرچہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کا فہم حدیث بذاتِ خود مستند نہیں ہے لیکن پھر بھی حدیث کو صحیح مانا جائے گا، بہت حد تک احتمال ہے کہ ابو حنیفہ نے حدیث کا دوسرا معنیٰ سمجھ لیا ہو، چنانچہ جب یحییٰ ابن آدم نے اس کو پہلا معنیٰ دیا تو امام ابو حنیفہ نے ان کی وضاحت رد کر دی۔ بالفاظ دیگر دونوں نے حدیث کی سند کو تسلیم کیا لیکن دونوں نے اسے مختلف طریق سے سمجھا۔[48] اس مقام پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے بعض صورتوں میں متعلقہ حدیث کی لغوی مفہوم میں تشریح نہیں کی بلکہ اس کے معنیٰ اخذ کرنے کے لیے اس سے ماوراء چلے گئے۔[49] آخر میں، چوتھا تضاد اس وقت جنم لیتا ہے جب ایک راوی اپنی روایت کردہ حدیث کے موافق عمل پیرا ہونے سے انکار / انحراف کرتا ہے، اس لیے ایسی حدیث واجب العمل نہیں ہو سکتی۔[50]

آحاد احادیث کی سند کے لیے امام ابو حنیفہ کا سخت معیار، جیسا کہ سطورِ بالا میں بیان کیا گیا ہے متعدد روایات کی تردید کا باعث بنا جنہیں امام ابو حنیفہ کے معاصرین جیسے شامی محدث امام الاوزاعی اور عراقی عالم قاضی ابن ابی لیلیٰ (متوفی: 148ھ / 765ء) اور وکلائے مدینہ کی اکثریت نے صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ ابو حنیفہ، اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ کے مابین فقہی احکام میں اختلافات کو ابو یوسف نے بالترتیب اپنی کتب الرد علی سیر الأوزاعی اور اختلاف أبي حنیفة و ابن أبي لیلی میں مرتب کیے ہیں۔ اسی طرح ابو حنیفہ اور وکلائے مدینہ کے مابین فقہی مسائل میں اختلافات الشیبانی کی "کتاب الحجة علی أهل المدينة" میں جمع کیے گئے تھے۔ یہ قوی امکان ہے کہ آحاد احادیث کے مؤقف کے بارے میں امام ابو حنیفہ پر ان کے معاصرین کی تنقید کم از کم جزوی طور پر مختلف آراء سے ہوئی ہو۔ ہماری اپنی رائے میں، امام ابو حنیفہ کا متعدد اخبار آحاد کو ترک کرنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے قانون کے قوی دلائل جیسا کہ قرآن مجید اور زیادہ مستند احادیث کو مقدم رکھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا امام ابو حنیفہ نے خبر واحد پر قیاس کو ترجیح دی یا نہیں؟ جب درپیش نکتے پر دونوں باہم متعارض تھے۔

اخبار آحاد بالمقابل قیاس:

مفرد حدیث (خبر واحد) اور قیاس کے مابین تعارض کے مسئلہ پر سنی فقہی مکتبِ فکر (فقہ) کے بہت سے فقہاء نے بھی بحث کی ہے۔ اس نکتے پہ اُن کی مختلف آراء درج ذیل حوالوں سے ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

حنبلی فقیہ، نجم الدین الطوفی (متوفی: 716ھ / 1316ء) نے "شرح مختصر الروضة" میں اور ابو اسحاق ابراہیم ابن علی الشیرازی (متوفی: 476ھ / 1083ء) جو کہ ایک شافعی فقیہ ہیں، نے "الوصول الی مسائل الاصول" میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ صحیح سند کی حامل خبر واحد کو قیاس پر لازمی ترجیح دینی چاہیے۔ ان کے اس نقطہ نظر کی دلیل معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کی ایک حدیث پر مبنی ہے جس میں اسلامی قانون کے مآخذات کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔ اِس حدیث میں اجتہاد (جس میں قیاس بھی شامل ہے) سنت کے بعد مذکور تھا۔ حدیث کو قیاس پر فوقیت دینے کے دیگر اسباب میں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا اجماع بھی شامل ہے اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ہے کہ حدیث ایک گناہوں سے مبرا شخص (المعصوم) یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کو بیان کرتی ہے۔[51] اس

[48] السرخسی، اصول السرخسی، 2:6-7، اور عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 3:135-137

[49] Goldziher, The Zahiris, 18.

[50] السرخسی، اصول السرخسی، 2:6-7، اور عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 3:135-137

[51] سلیمان ابن عبد القوی الطوفی شرح مختصر الروضة، ایڈیٹر، عبد اللہ ابن عبد المحسن الترکی، اور الشیرازی، الوصول، 2:103-4

کے برعکس، فقہ مالکی کے بانی امام مالک ابن انس اور ان کے پیروکاروں نے جب بھی یہ باہم متعارض ہوئے تو قیاس کو خبر واحد پر ترجیح دی- یہ محض ایک قانونی ماخذ کے طور پر قیاس کے مستند ہونے کی وجہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث کا اتصال السند (بلا خلل راویوں کا تسلسل) شبہ سے ماوراء نہیں ہے- اس احتمال کے پیش نظر کہ کم سے کم ایک راویِ حدیث ایسا ہو سکتا ہے جس نے جھوٹ بولا ہو یا روایت / حدیث بیان کرنے میں خطا کی ہو-[52]

مذکورہ بالا علماء کے برعکس فقہائے احناف جیسا کہ ابو الحسن علی ابن محمد البزدوی (متوفی 482ھ / 1089ء) اور السرخسی نے اِس طرف اشارہ کیا ہے کہ آیا خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی یا نہیں؟ یہ راویانِ حدیث کے معیار پر منحصر ہے- ان کے نزدیک یہ راوی دو گروہوں میں منقسم ہیں-

اولاً: المعروفون راویوں پر مشتمل ہیں جو نہ صرف ثقاہت (معتبر، یعنی اپنی عدالت اور ضبط کی وجہ سے) کے لیے مشہور ہیں بلکہ ان کے فقہ (حدیث کے موضوعِ بحث کی تفہیم کی صلاحیت) کیلئے بھی مشہور ہیں-

ثانیاً: وہ راوی ہیں جو صرف اپنی عدالت اور ضبط کی وجہ سے مشہور ہیں لیکن ان میں فہم فقہ کا فقدان ہے- جہاں تک المجہولون کا تعلق ہے، یہ وہ راوی ہیں جو ماسوائے ایک یا دو احادیث کے غیر معروف ہیں جو انہوں نے روایت کی ہوں گی- مجہولون میں سے بعض کو ثقہ اور بعض کو غیر ثقہ سمجھا جاتا ہے جبکہ کچھ اپنے ثقاہت کے اعتبار سے قابل بحث ہیں[53]

فقہائے احناف کے درمیان اِس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ معروفون جو کہ اپنی فقہ کے لیے مشہور ہیں کی نقل کردہ احادیث کو قیاس پر مقدم رکھا جائے جیسا کہ خلفائے راشدین حضرت ابو بکر، حضرت عمر ابن خطاب، حضرت عثمان ابن عفان اور حضرت علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہم)- اس کے لیے بیان کردہ وجوہات وہی ہیں جو حنبلی اور شافعی فقہاء نے پیش کی ہیں جیسے کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے-[54]

تاہم فقہائے احناف ایسے معروفون کی روایت کردہ احادیث پر متفق نہیں ہیں جو اپنے تقوٰی سے صرفِ نظر شرعی مسائل کی تفہیم کیلئے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہما) کی طرح نامور نہیں ہیں- حنفی فقیہ، عیسیٰ ابن ابان (متوفی 221ھ / 836ء) کے ہاں قیاس پر روایت کرنے والی احادیث کو ترجیح دینے سے قبل راویوں کا عدالت اور ضبط کے علاوہ موادِ حدیث کا فہم (فقہ) بھی لازمی ہے- یہ اس حقیقت کی وجہ سے ہے کہ متعدد راوی ایسے تھے جو ایک قول کا صرف معنی بیان کرنے کے قابل تھے جبکہ اسے بالحرف روایت کرنے سے قاصر تھے- یہ عیاں ہے کہ ایسا کرنے میں راویوں کا فہم بہت معنی رکھتا ہے- اس کے برعکس، ابو الحسن الکرخی (متوفی 340ھ / 952ء) کیلئے محتویاتِ احادیث (مضامین و مندرجاتِ حدیث) کو سمجھنے کی صلاحیت اِس بنا پر ضروری نہیں ہے کہ روایہ بالمعنی کے باوجود اس میں ثقہ راویوں جو حدیث کے مفہوم کو کسی بھی طرح متاثر نہیں کرتے تھے کی جانب سے تغیرات کی گئی ہیں-[55] اس نکتہ پر البزدوی اور السرخسی دونوں آراء کو یکجا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اگر فہم (الفقہ) کی صلاحیت نہ رکھنے والے معروف سے مروی حدیث (آحاد) قیاس کی تائید کرتی ہے تو قبول حدیث لازم ہے اور اگر حدیث اس سے متصادم ہو پھر بھی اسے ترجیح دی جائے سوائے ضرورۃ کے، یعنی جہاں صحیح استدلال کی کوئی اساس نہ ہو حدیث کی تائید کے لیے"-[56]

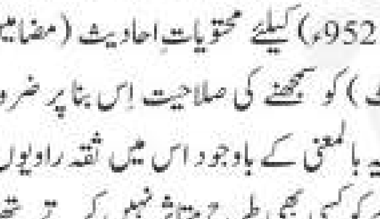

[52] عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 700-2:699

[53] دیکھیے، عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 2:697؛ السرخسی، اصول السرخسی، 1:338

[54] دیکھیے، عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 700-2:698؛ السرخسی، اصول السرخسی، 1:339

[55] دیکھیے، عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 2:707

[56] عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 2:702؛ السرخسی، اصول السرخسی، 2-1:340

قیاس پر خبر واحد کو ترجیح دینا دراصل اوّلین فقہاء جیسے ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد بن الحسن الشیبانی کا وطیرہ تھا-[57] ابو حنیفہ کے مذکورہ نظریے کے انطباق کی کئی مثالیں ہیں- انہوں نے متعدد فقہی احکام دینے میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہما) سے مروی اخبار آحاد کو استعمال کیا- ان متعلقات میں سے ایک کسی شخص کے روزے کی سلامتی سے متعلق ہے جو نسیان (بھول چوک) سے کھاتا پیتا ہے- اس مقام پر حدیث اور قیاس کے نتائج باہم متعارض دکھائی دیتے ہیں- قیاس کی بنا پر یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ کوئی بھی عبادت (اطاعت خداوندی) اپنے رکن (بنیادی عنصر) کی تکمیل کے بغیر باطل ہے، اس لیے اس کا اطلاق کسی بھی شخص پر ہو گا جو روزہ کی حالت میں بھول چوک کر کھا لے-[58] دوسری طرف حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا درج ذیل فرمان نقل ہوا ہے:

”جو شخص روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ مکمل کرے، بیشک (جب اس نے بھول چوک سے کھایا پیا) اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا اور پلایا ہے“-[59]

مذکورہ حدیث کے سبب ابو حنیفہ نے روزے کی سلامتی کو قبول کیا جو بظاہر بھول چوک کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا-[60] اس مسئلہ کے متعلق ابو حنیفہ نے کہا: ”اگر ایسی کوئی حدیث موجود نہ ہوتی تو میں قیاس کی بنیاد پر فیصلہ کرتا“-[61] اس سے عیاں ہوتا ہے کہ اگرچہ ایک غیر فقیہہ راوی کی روایت کردہ حدیث قیاس کے سہارے حاصل ہونے والے حکم سے متصادم ہے لیکن پھر بھی حدیث مقدم ہے-

تاہم بزدوی اور سرخسی کے نزدیک غیر فقیہ معروف راوی سے مروی خبر واحد کو قیاس پر صرف اسی صورت میں ترجیح دی جائے گی جب صحیح استدلال کا پیمانہ اس حدیث کی تائید میں ہو- یعنی یہ ایک دوسری قسم کا قیاس ہے جو حدیث کے موافق ہو-[62] لیکن اگر کوئی ایسا واقعہ جنم لے جسے انسداد باب الرائے کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی جب مضمون انسانی عقل سے کلی طور برقرار نہ رہ سکے تو پھر قیاس کا سہارا لینے والے حکم کو ترجیح دی جائے گی- اس سیاق میں ایک مثال التصریہ (دودھ روکا ہوا جانور) کے واقعہ سے ملتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی حدیث میں مذکور ہے- یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

”اونٹنی یا بکری کے سلسلے میں التصریہ (دودھ روکنے) سے پرہیز کرو (تاکہ دودھ ان کے تھنوں میں رہے)، جو شخص تصریہ کے بعد ایسا جانور خریدتا ہے اسے دودھ دوہنے کے بعد لین دین منسوخ کرنے کا اختیار ہے، اگر وہ مطمئن ہے تو انہیں رکھ لے اور اگر نہیں تو وہ انہیں (مالک کو) واپس کر دے اور ایک صاع کھجور اس کے ساتھ دودھ کے بدلے دیدے“-[63]

یہ حدیث جو کسی لین دین کو منسوخ کرنے کے اختیار کی اجازت اور اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ بائع کو مشتری کی جانب سے اس دودھ کے عوض جو اس نے خرچ کیا ہے ایک

---

57 دیکھیے، عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، اور 704 اور 2:708، اور السرخسی، اصول السرخسی، 1:342

58 دیکھیے، ابو یوسف، اختلاف ابی حنیفہ، 135: محمد ابن الحسن الشیبانی، کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ، ایڈیٹر، مہدی حسن الکیلانی (حیدر آباد: مطبع المعارف الشرقیہ، 1965)، 1:391

59 مسلم ابن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب اکل الناسی وشربہ

60 مزید دیکھیے، الشیبانی، کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ، 95-1:393، الشیبانی نے اس حدیث کے راویوں کے طور پر دیگر صحابہ کرام علی ابن ابی طالب اور علقمہ بن قیس (رضی اللہ عنہم) کا بھی ذکر کیا ہے-

61 دیکھیے، الشیبانی، کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ، 1:392، اور عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 2:708

62 دیکھیے، عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 2:702

63 محمد ابن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب النہی للبائع أن لا یحفل الابل والبقر والغنم--، مسلم ابن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب بیع المصراۃ، ابو داؤد سلیمان ابن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب من اشتری مصراۃ فکرھھا

صاع کھجور واپس ملے گی- تاہم بزدوی اور سرخسی کے ہاں یہ حدیث مستند نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن (2:194)[64] سے ماخوذ صحیح قیاس کے منافی ہے، دیگر احادیث اور اجماع جو مسلمانوں کو اشیاء کی ضمانت میں برابر مقدار کا حکم دیتا ہے اس صورت میں کھجور کا ایک صاع ناکافی ہو جاتا ہے-[65] اس بات پر امام ابو حنیفہ اور اُن کے جید تلامذہ قاضی ابو یوسف اور امام الشیبانی کا اختلاف رائے تھا- مؤخر الذکر نے مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیا جیسا کہ خیار کے معاملے میں ان کے عمل سے دیکھا جاسکتا ہے-[66]

وہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) جو کہ غیر معروف تھے جیسے فاطمہ بنت قیس، وابصہ ابن معبد، سلمہ ابن المحبق اور معقل ابن سنان سے مروی آحاد احادیث کے بارے میں فقہائے احناف کا اتفاق ہے کہ اگر وہ صحیح قیاس سے متصادم ہیں تو انہیں قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کا اتّصال اتباور جو مشتبہ ہے- فقہائے احناف کے ہاں دیگر صحابہ اور تابعین کی صحیح قیاس کی تائید میں روایات کے رد کی متعدد مثالیں ملتی ہیں- اس سلسلے میں ایک مثال فاطمہ بنت قیس سے منقول حدیث ہے (مکمل روایت سطورِ بالا میں ابو حنیفہ کے خبرِ واحد کے بارے میں رویہ کی بحث میں نقل کی گئی ہے) جو یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ فرمایا تھا کہ وہ (عورت) جسے شوہر کی جانب سے تین طلاقیں دی گئیں نفقہ کی حقدار نہیں تھی- البتہ آپ کی یہ روایت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے رد کر دی جو اسے قرآن مجید (65:1 اور 6) سے ماخوذ جسے صحیح قیاس کہا جاسکتا ہے کے مغائر سمجھتے تھے- اس بنا پر آپ نے فرمایا کہ:

"ہم کسی ایسی عورت کی روایت کے مقابلے میں کتاب اللہ اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ترک نہیں کرتے جس کے بارے ہمیں معلوم نہیں کہ وہ صادق ہے یا کاذب اور آیا وہ یاد رکھتی ہیں یا بھلا دیتی ہیں (جو کچھ سنتی یا دیکھتی ہیں)"-[67]

اختتامیہ:

اپنے پاس موجود دلائل و براہین کی بنا پر ہم نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ تاثر غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ نے مجموعی طور پر احادیث کے مقابلے میں آحاد احادیث پر بہت کم توجہ دی- حقیقت تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے صرف وہی احادیث استعمال کیں جنہیں وہ قرآن مجید کے قوی دلائل اور دیگر بہتر و صحیح احادیث کے موافق سمجھتے تھے- بالفاظ دیگر امام ابو حنیفہ کا متعدد آحاد احادیث کا رد اس بنا پر تھا کہ وہ احادیث قبولیت کے معیار پر پورا نہیں اترتی تھیں جسے وہ صحتِ حدیث کی جانچ کے لیے لازمی سمجھتے تھے- امام ابو حنیفہ نے ان آحاد احادیث کو ترجیح دی جو ایسے راویوں سے مروی تھیں جو مذہب اور اخلاقی خصائل جس کا اظہار "عدالہ" کی اصطلاح سے ہوتا ہے اور ذہنی و فکری صلاحیت سے معروف ضبط کہلانے والی اصطلاح جو قیاس کے ذریعے حاصل ہونے والے فیصلوں پر ہوتی ہے- ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ اسلامی قرونِ اولیٰ کے فقہاء حتیٰ کہ ایک ہی مذہب کے فقہاء کے مابین بھی شرعی تصورات کے ماخذ کی حیثیت سے صحتِ احادیث کی جانچ پرکھ کے طریقوں پر کافی اختلاف پایا جاتا تھا-

☆☆☆

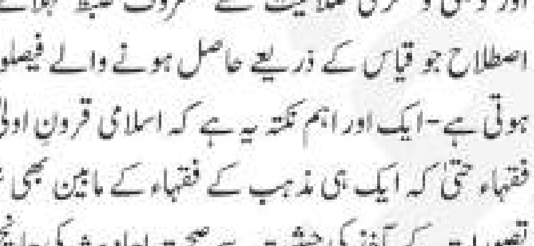

[64] آیت ہے: "پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی---"

[65] عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 5-2:704

[66] دیکھیے، ابو یوسف، اختلاف ابی حنیفہ، 16؛ اور الخوارزمی، جامع المسانید، 2:25

[67] دیکھیے، عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، 24-2:706، اور السرخسی، اصول السرخسی، 45-1:342

انحطاط کے دور میں اجتہاد سے تقلید بہتر ہے

(فارسی نظم)

علامہ محمد اقبال
مترجم: میاں عبد الرشید
تسہیل ترجمہ: محمد عظیم رانا

عہد حاضر فتنہ ہا زیر سر است
طبع نا پروائے او آفت گر است

موجودہ دور اپنے اندر بہت سے فتنے رکھتا ہے اس کی بے باک طبیعت سراپا آفت ہے۔

بزم اقوام کہن برہم ازو
شاخسار زندگی بے نم ازو

عہد حاضر نے گذشتہ اقوام کی بزم کو برہم کر دیا اور زندگی کی شاخوں کو نمی سے محروم کر دیا۔

جلوہ اش ما را ز ما بیگانہ کرد
سازِ ما را از نوا بیگانہ کرد

دور جدید کے جلوؤں نے ہمیں اپنا آپ بھلا دیا ہے اور ہمارے سازِ زندگی کو نغمہ سے محروم کر دیا ہے۔

از دل ما آتش دیرینہ بُرد
نور و نار لا الٰہ از سینہ برد

اس نے ہمارے دل سے عشق کی قدیم آگ چھین لی ہے اور ہمارے سینوں سے لا الٰہ کے نُور اور گرمی کو نکال دیا ہے (ان دو اشعار کی مناسبت آگے چل کر "عقل آبایت" والے شعر سے قائم ہوتی ہے)۔

مضمحل گردد چو تقویم حیات
ملت از تقلید می گیرد ثبات

جب زندگی کی ساخت کمزور پڑ جاتی ہے تو اس وقت قوم تقلید ہی سے استحکام پاتی ہے۔

راہ آبا رو کہ این جمعیت است
معنی تقلید ضبط ملت است

اپنے آباء کے راستے پر چل کہ اسی میں جمعیت ہے، تقلید کا مطلب ملت کو ایک ضبط کے تحت لانا ہے۔

در خزان اے بے نصیب از برگ و بار
از شجر مگسل بامید بہار

اگر خزاں کے دوران درخت پھل پھول سے محروم ہو تو بہار کی امید میں اسے اپنا تعلق منقطع نہ کرلے۔

بحر گم کردی، زیان اندیش باش
حافظ جوئے کم آب خویش باش

اگر تو بحر گم کر چکا ہے تو اپنے نقصان کا احساس کر کم از کم اپنی کم آب ندی کا تو تحفظ کرلے۔

شاید از سیل قہستان برخوری
باز در آغوش طوفان پروری

ہو سکتا ہے کہ اس ندی کے اندر دوبارہ کوہسار کا سیل آجائے اور وہ اپنی آغوش میں نئے طوفان کی پرورش کرلے۔

پیکرت دارد اگر جان بصیر
عبرت از احوالِ اسرائیل گیر

اگر تیرے بدن میں بصیرت کی حامل روح موجود ہے تو بنی اسرائیل کے احوال سے عبرت حاصل کر۔

گرم و سرد روزگار او نگر
سختیٔ جان نزار او نگر

اس کے حالات کی سختی و نرمی پر غور کر اور پھر دیکھ اس کی کمزور جان نے اسے کس ہمت سے برداشت کیا ہے۔

خوں گران سیر است در رگہائے او
سنگ صد دہلیز و یک سیمائے او

اس کی رگوں میں خون کی گردش سست پڑ چکی ہے اس کی پیشانی سینکڑوں دہلیزوں پر سجدہ ریز ہے۔

پنجۂ گردون چو انگورش فشرد
یادگارِ موسیٰ و ہارون نمرد

آسمان کے پنجے نے اسے انگور کی طرح نچوڑ ڈالا مگر یہ قوم جو موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کی یادگار ہے، مٹ نہ سکی۔

از نوائے آتشینش رفت سوز
لیکن اندر سینہ دم دارد ہنوز

اس کی نوائے آتشیں سے سوز جاتا رہا لیکن اس کے سینے میں ابھی تک دم موجود ہے۔

زانکہ چون جمعیتش از ہم شکست
جز براہ رفتگان محمل نہ بست

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کی جمعیت ختم ہو گئی تو اس نے بزرگوں کی راہ نہ چھوڑی۔

اے پریشان محفل دیرینہ ات
مُرد شمع زندگی در سینہ ات

اے مسلمان تیری قدیم محفل پریشان ہو چکی ہے، تیرے سینے کے اندر زندگی کی شمع بجھ چکی ہے۔

نقش بر دل معنیٔ توحید کن
چارۂ کارِ خود از تقلید کن

تو اپنے دل پر دوبارہ توحید کا نقش کندہ کر اور اپنے اسلاف کی تقلید سے اپنی مشکلات کی چارہ سازی کر۔

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط
قوم را برہم ہمی پیچد بساط

زوال و انحطاط کے زمانے میں اجتہاد قوم کا شیرازہ بکھیر دیتا ہے اور اس کی بساط لپیٹ دیتا ہے۔

از اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

کوتاہ نظر (بے بصیرت) عالموں کے اجتہاد کی بجائے اسلاف کی پیروی (تقلید) خطرات سے زیادہ محفوظ ہے۔

عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست
کارِ پاکان از غرض آلودہ نیست

تیرے آباء و اجداد کی عقل ہوس کا شکار نہیں تھی (یعنی کسی دوسری تہذیب کی نفسیاتی غلام نہیں تھی)۔ پاک بازوں کے کام خود غرضی سے آلودہ نہیں ہوتے۔

فکرِ شان ریسد ہمی باریک تر
ورعِ شان با مصطفیٰؐ نزدیک تر

ان کی فکر نے بڑی باریکیاں پیدا کیں۔ ان کا تقویٰ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قریب تر تھا۔

ذوقِ جعفرؒ کاوشِ رازیؒ نماند
آبروئے ملتِ تازی نماند

اب امام جعفر (رضی اللہ عنہ) کا ذوق و شوق اور امام رازی (رحمۃ اللہ علیہ) کی کاوش باقی نہیں رہی۔ نہ ملتِ حجازی کی وہ شان و شوکت ہے۔

تنگ بر ما رہگذار دین شد است
ہر لئیمے راز دار دین شد است

ہم پر دین کا راستہ تنگ ہو چکا ہے ہر بیوقوف (فرد) مایۂ دین کے راز جاننے کا دعویدار (بنا بیٹھا) ہے۔

اے کہ از اسرار دیں بیگانۂ
با یک آئیں ساز اگر فرزانۂ

تو جو اسرارِ دین سے نا آشنا ہے، اگر تو سمجھ رکھتا ہے تو ایک آئین کی پابندی (یعنی تقلید) اختیار کر۔

من شنیدستم ز نباضِ حیات
اختلاف تست مقراضِ حیات

میں نے نباضِ حیات سے سنا ہے کہ اختلافات زندگی کے لیے قینچی کی طرح ہیں۔

از یک آئینی مسلمان زندہ است
پیکر ملت ز قرآں زندہ است

مسلمان وحدتِ آئین ہی سے زندہ ہے، ملت کا وجود قرآن پاک سے زندہ ہے۔

ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

ہم سب خاک ہیں اور ہمارے دلوں کو بصیرت دینے والا قرآن پاک ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لے کہ یہی حبل اللہ (اللہ کی رسی) ہے۔

چوں گہر در رشتۂ او سفتہ شو
ورنہ مانند غبار آشفتہ شو

اپنے آپ کو موتیوں کی مانند قرآن پاک کے رشتہ میں پرو لے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو غبارِ راہ کی طرح بکھر جائے گا۔

☆☆☆

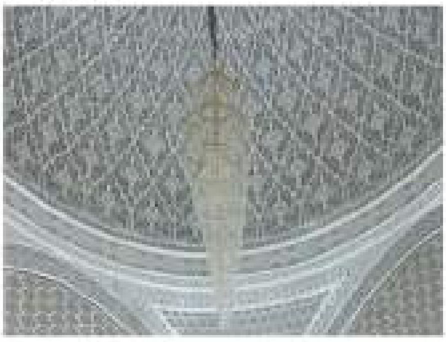

نَسَف

(اُردو مثنوی)

کلام: صاحبزادہ سلطان احمد علی

سمرقند کا گاؤں ہے اک نَسَف
عزیز اس کو رکھتے خلف اور سلف

نَسَف ایک مرکز تھا اَحناف کا
مرقع تھا خوشبوئے اَسلاف کا

طُفیلِ لعابِ رسولِ ھُدیٰ
نسف سے ہدایت کا دریا چلا

ہوئیں اس سے سیراب سب وادیاں
عراقی و ہندی، خراسانیاں

روان و دواں فیض ہم عمر
ہوا حق قوی شر کی ٹوٹی کمر

نسف کا عمرؒ سیفِ اسلام ہے
کہ صدیوں کی محنت کا اِنعام ہے

عمرؒ بن کے خورشید چمکا وہاں
کہ ہیں آج تک اُس کی ضو پاشیاں

حیات و تصانیف و مرقد شریف
روان و عیاں سب سے فیض لطیف

دیا روشنائی کو اپنا لہو
شجر دین کا تاکہ پائے نمو

جو تھی گرد آئینۂ عقل پر
اتارا اُسے لے کے موروں کے پر

خرد زاغ لے کر پڑی تھی جہاں
کیا مست طاؤس ایماں وہاں

مسلماں کی تلقیں کے پیش نظر
مرتب رسالہ کیا مختصر

کیا چند سطروں میں اس کو بیاں
تھا اونٹوں کی پشتوں کا بارِ گراں

کیا نیم کوزے میں قلزم کو قید
کیا جیبِ دامن میں انجم کو قید

وہ ناخن میں دیدارِ کونین ہے
وہ پتے پہ تصویرِ ثقلین ہے

وہ والعصر و کوثر کا فیضان ہے
وہ تقلیدِ اعجازِ قرآن ہے

کہوں جب عمر کو کہ محبوب ہے
نشانی بھی آخر کو مطلوب ہے

ازل سے حسینوں کا ہے یہ شعار
کہ باتوں میں رکھتے ہیں وہ اختصار

طوالت کی ضد اُن کا ابلاغ ہے
کہ پتے میں بھی علم کا باغ ہے

ورق پر یہ بوتے ہیں تخمِ سخن
تو معنوں کے اُگتے ہیں لاکھوں چمن

حسینوں میں کم گوئی کا ہے رواج
جبھی تو مفسر کی ہے احتیاج

یہ منصب نہیں ایک محجوب کا
مفسر بنے قولِ محبوب کا

بتاتا ہوں "بیدل" کی تائید سے
نہ دیکھ اُس کو تو غیر کی دید سے

کہ "نظارۂ گل ہو مقصود جب
وطن کر تو بلبل کی آنکھوں میں تب"

نہ چمگادڑوں سے تو کر دوستی
نہ آنکھیں جہالت کے دھاگے سے سی

نہ رکھے وہ صحبت کسی خام سے
کہ ڈرتا ہو جو سوء انجام سے

جبھی تفتازانی سے ملتے ہیں ہم
محبت سے روشن ہوا اس کا دم

محبت ہے صبحِ ازل کی ضیا
محبت سے آنکھوں نے پائی شفا

ہوئے تفتازانی سے جب فیضیاب
تو ایمان نے جیسے پایا شباب

تلاشا ہے اِک کنز انمول کو
نکھارا ہے محبوب کے قول کو

یہ انگشتری میں نگیں جڑ گیا
رسالہ اُجالا دلوں کا ہوا

رسالہ ہے ایمان کی زندگی
رسالہ ہے احسان کی زندگی

رسالہ حرا کی میں خلوت کہوں
اُسے "بدر کی دفعِ ظلمت" کہوں

وہ زم زم کی لذت وہ عجوہ کھجور
وہ اقصیٰ کی برکت وہ ایمن کا نور

ہے نورِ خرد، عشق کی زندگی
وہ ہے کنزِ دل، جاں کی پایندگی

وہ کاذب پہ صدیق کا وار ہے
وہ فاروق کا عدل بیدار ہے

وہ ذوالنور کا فیضِ انوار ہے
وہ خیبر میں حیدر کی للکار ہے

امام حسن کی وہ تدبیر ہے
سرِ دجلہ تقریرِ شبیر ہے

وہ سجاد و باقر کی تسکین ہے
وہ نعماں کو جعفر کی تلقین ہے

وہ جعفر وہ عالی وہ سید، شریف
بنے اُن کے تلمیذ امام حنیف

تھا نعمان سے جو عقیدہ چلا
جسے بعد میں "ماتریدی" کہا

نَسَف کے عمر نے وہی ہے لیا
جو جعفر نے نعمان کو تھا دیا

وہ ہے بوحنیفہ کا فیضِ جلیل
وہ ہے ماتریدی کی محکم دلیل

وہ الاشعری کا ہے نورِ یقیں
وہ ہے باقلانی کی فتحِ مبیں

جوینی، غزالی کی تائید ہے
پئے دفعِ ظلمت وہ خورشید ہے

پڑی معتزلہ کو اس سے نکیل
فنا ہو گیا اُن کا مردود کھیل

تھے تبھی، حروری و مرجئی تمام
چڑھی سرکشوں کو نَسَف سے لگام

جہانِ ضلالت تھا خاشاک و خس
نَسَف کا ہوا ایک شعلہ ہی بس

English Translation of

SULṮĀN AL-‘ĀRIFĪN SULTAN BAHOO'S

Persian Book

Kalīd At-Tawẖīd

THE KEY OF MONOTHEISM

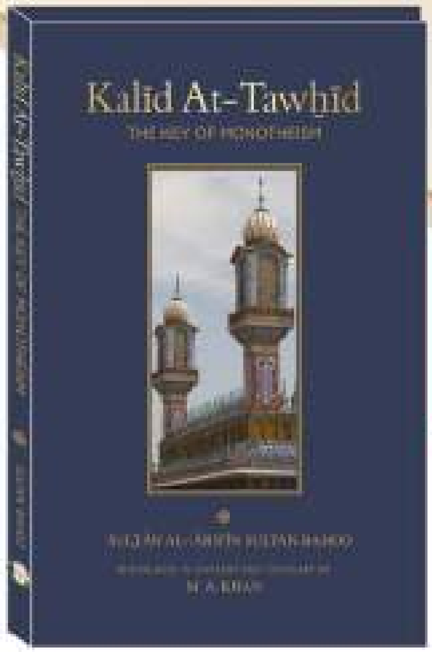

Published & Available

TRANSLATED IN ENGLISH AND GLOSSARY BY

M. A. KHAN

Luton, UK

A Meaningful Struggle

International Standard

کلید التوحید (خورد) سلطان العارفین حضرت سلطان باھُوؒ کی معروف و مقبول تصنیف ہے۔ آپؒ نے اس کتاب کو ''مشکل کُشا'' کا خطاب دیا۔ یہ کتاب تصوف کے انتہائی درجات جیسے توحیدِ الٰہی، مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور فقر فنا فی اللہ بقا باللہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں خوبصورت بحث سے بھرپور ہے جو راہِ حق کے راہی کیلئے راہنما کا درجہ رکھتی ہے۔ مذکورہ کتاب کا انگریزی ترجمہ جناب ایم۔اے خان کی انتھک کاوشوں سے منظرِ عام پر آ چکا ہے جس سے حضرت سلطان باھُوؒ کی علم و فقر کی تعلیمات انگریزی قارئین تک بہم پہنچیں گی۔ کتاب میں ضروری مقامات پہ فُٹ نوٹ اور آخر پر حضرت سلطان باھُوؒ کی بیان کردہ اصطلاحات کا جامع و منفرد انداز میں ترجمہ قاری کیلئے آسانی اور دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔

یہ ترجمہ حضرت سلطان باھُوؒ کے پیغام کو دُنیائے جدید میں پھیلانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

علم دوست لوگوں کے لئے خوبصورت تحفہ

رابطہ: دربار عالیہ حضرت سخی سلطان باھُوؒ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان

پی او بکس نمبر 11 ڈی جی پی او لاہور

ویب سائٹ: www.alfaqr.net

ای میل: alarifeenpublications@hotmail.com

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور۔پاکستان

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں